وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

یادِ ایام

رسالہ

یادِ ایّام

عالی جناب مولانا سیّد عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلما نے
آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس سورت میں
پڑھے جانے کے لئے تالیف فرمایا اور بعد ازاں

حسب فرمایش

جوائنٹ آنریری سکرٹری صاحب کانفرنس

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علیگڈھ کالج میں طبع ہوا ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء

(اور سلطان جہاں منزل صدر دفتر کانفرنس سے شایع ہوا)

فہرست مضامین

مقدمہ

جناب مولوی سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء نے یہ رسالہ میری درخواست پر تحریر فرمایا ہے۔ جناب ممدوح نے علماء ہندوستان کی عربی میں مبسوط تاریخ لکھی ہے اور اوس کے تالیف کے سلسلے میں تاریخ ہندوستان کا وسیع مطالعہ کیا ہے چونکہ اس سال کانفرنس کا اجلاس سالانہ صوبہ گجرات میں ہوا اور وہاں گزشتہ شائستگی کے آثار جابجا نظر آئے اسلئے ضروری معلوم ہوا کہ ان پر تاریخی روشنی ڈالی جائے تاکہ اوس روشنی میں پس ماندوں کو اپنے خط و خال نظر آئیں اور عبرت کا سبق سیکھیں۔

فاضل مؤلف نے جس خوبی سے اس مختصر رسالہ میں گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے ہیں وہ فی الواقع مورخانہ اور ادیبانہ دونوں حیثیتوں سے

قابل داد ہیں۔ یہ مولویوں کے طبقے کی ایک دلکش صدا ہے جن کی نسبت جدید خیالات بدمذاقی کا فیصلہ صادر کر چکے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ جدید خیالات خود اپنے تاریخی مذاق کی خوبی کا ثبوت کب پیش کرینگے۔ ہندوستان کی تاریخ مدت سے بصد حسرت غالب مرحوم کے اس مصرع کا اعادہ کر رہی ہے ع

کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگنِ عشق

دیکھیے کب ہمارے بلند آہنگ دوستوں کے کان اس صدا سے آشنا ہوتے ہیں۔

تاریخ گجرات کا یہ واقعہ قابل اضافہ ہے کہ ظفر خاں شاہ گجرات کا باپ سہارن فیروز شاہ بادشاہ دہلی کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہوا تھا۔ یہہ خاندان کا نانک تھا۔

آخر میں فاضل مولف کا شکرادا کرنا واجب ہے جن کی عنایت سے کانفرنس کو اس مفید رسالہ کے شایع کرنے کا موقع ملا۔

سلطان جہاں منزل،
علی گڈھ :

خاکسار
محمد حبیب الرحمن خاں شروانی
آنریری جائنٹ سکرٹری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وبہ نستعین

وصلی اللہ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

کسی نے سچ کہا ہی کہ رہنمایانِ مذہب کی سحر انگیز تقریروں کے بعد کسی قوم کے مُردہ دلوں میں جوش پیدا کرنے اور ہمّت بڑھانے کا اگر کوئی عمدہ ذریعہ ہی تو وہ تاریخ ہی - تاریخ ہی کے ذریعہ سے گزشتہ اور موجودہ زمانوں میں موازنہ کرنے کا بہتر موقع مل سکتا ہی، اور اگر ہمارے حواس دُرست ہوں تو ہم اس بات پر غور کر کے اچھّے نتیجہ تک پُہنچ سکتے ہیں کہ گزشتہ دور میں ہم میں وہ کون سی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے

ہم نے عروج و اقبال کے مدارج طے کیے تھے، اور اب ہم میں کون سی برائیاں پیدا ہو گئیں ہیں جن کی وجہ سے نکبت و ادبار کے قعر مذلت میں جا پڑے ہیں۔

یوں تو مسلمانوں کی عظمت و اقبال کی داستانیں اُن کے فضل و کمال سے ہر جگہ وابستہ ہیں اور تاریخ کا ہر صفحہ ہمارے واسطے سرمایۂ عبرت ہے لیکن اگر دورِ گزشتہ کی تاریخ میں سے ہم صرف ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالیں اور ہندوستان کی تاریخ میں سے گجرات، بیجاپور، گولکنڈہ، مانڈو، برہانپور، اور جونپور کی تاریخ کو ہم بغور مطالعہ کریں تو بہت کافی مواد ہم کو ایسا مل سکتا ہے کہ ہم اُس کو سرمۂ بصیرت بنائیں۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ رزم و بزم کے افسانوں میں سے ہم اُن بکھرے ہوئے موتیوں کو تلاش کر لیں جن سے کحل الجواہر تیار ہو سکتا ہے۔

شاید اسی خیال سے جناب مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکن پور نے اس سال مجھے دعوت دی کہ میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اُس اجلاس میں جو بمقام سورت منعقد ہونے کو تھا شرکت کروں۔ مگر اُس کے ساتھ یہ بھی حکم تھا کہ خالی ہاتھ نہ جاؤں بلکہ گجرات کے علمی دور کی تاریخ مرتب کر کے جلسہ میں پیش کروں۔ اُن کا یہ ارشاد میری افتادِ طبیعت کے خلاف تھا۔ مگر کچھ اس طور پر

فرمایا تھا کہ میرے زخم کہن تازہ ہوگئے۔ میں نے اُن کے حکم کی تعمیل کی اور گجرات کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں۔ مگر افسوس ہی کہ سورت پہنچ کر دفعۃً علیل ہوجانے کی وجہ سے بیان کرنا تو درکنار میں جلسوں میں شریک بھی نہو سکا۔

اب ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے اُس کو میں اہل ملک کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ مقصود یہ ہی کہ ہم سب عموماً اور باشندگانِ گجرات خصوصاً اس کو پڑھکر غور کریں کہ ایک زمانہ میں اُنھوں نے ملک اور علم و ہنر کی کیسی خدمت کی ہی اور اب اُن کی کیا حالت ہی۔ اگر اس مضمون سے ہمارے دوستوں نے فائدہ اُٹھایا تو میں سمجھونگا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ ورنہ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

عبدالحیؒ

لکھنؤ:

۲۰- جنوری سنہ ۱۹۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشاطہ را بگو کہ براسبابِ حسنِ یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسید

گجرات کی علمی تاریخ بیان کرنے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس بات کو ظاہر کردوں کہ گجرات کے ساتھ اسلامی تعلّقات کی ابتدا کیونکر ہوئی اور ان تعلقات کو رفتہ رفتہ کیسی ترقی ہوتی گئی، اور کیا اسباب پیدا ہوئے جن سے گجرات میں ایک شاندار اسلامی سلطنت قایم ہوگئی جس نے گجرات کو شیراز و یمن کا ہمسر بنادیا۔ اور اپنے خصایص حکمرانی کے لحاظ سے صفحاتِ تاریخ پر ایسی تابناک روایتیں درج کردیں جن کی نظیر بمشکل مل سکتی ہے۔

گجرات سے اسلامی تعلّقات کی ابتدا

مشہور ہے کہ سب سے پہلے اسلامی تعلقات ہندوستان میں ملک سندھ کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے ریگستانِ سندھ کو طے کرکے جو عرب کے ساتھ خصایص مرز و بوم کے لحاظ سے بہت سی باتوں میں مشابہت رکھتا ہے، ہندوستان میں اسلامی سلطنت قایم کی، جس کے حدود ایک طرف راجپوتانہ سے ملتے تھے اور دوسری جانب وادیِ کشمیر

اور یہ سلطنت کم و بیش بارہ سو برس تک مسلمانوں کے زیر حکومت و اقتدار رہتی آئی مگر اِس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سب سے پہلے مسلمانوں کی نگاہِ دوربین گجرات کے سرسبز پہاڑوں پر پڑی تھی اور اُن کا یہ مطمحِ نظر اُس وقت تک قایم رہا جب تک کہ وہ گجرات پر قابض و متصرّف نہیں ہو گئے۔

مُسلمانوں کا پہلا حملہ

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ ۱۵ھ میں (یعنی جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے رحلت فرمانے کے صرف پانچ برس بعد) فاروقِ اعظمؓ نے بحرین و عمان کی حکومت پر عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ کو مامور فرمایا جن کا شمار صحابہ کرامؓ میں تھا۔ اُنھوں نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ اپنے بھائی حکم بن ابی العاصیؓ کو بحرین کی حکومت پر نامزد کر کے حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوج کشی کریں۔ حکمؓ نے کشتیوں کے ذریعہ سے دریائی سفر کی سخت منزلیں طے کیں اور اپنی فوج کو لیے ہوئے سب سے پہلے سواحل گجرات پر قدم رکھا یا یوں کہنا چاہیئے کہ ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُس خدائے یکتا پر ایمان لانے والوں کا اور اُسی ایک ہستی کو وحدہٗ لاشریک لہٗ جاننے اور اُسی کو قادرِ مطلق اور مُصرّف الامور ماننے والوں کا پاک قدم پہلے اسی سرزمین پر پڑا۔ اور اِسی سرزمین کے دشت و جبل ہندوستان میں سب سے پہلے اللہ اکبر کے نعروں سے گونجے۔

اِس حملہ میں جن سعادت مندوں کو مرتبۂ شہادت نصیب ہوا اُن میں غالباً وہ نفوسِ قدسیہ بھی تھے جنھوں نے رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جمالِ جہان آرا دیکھا تھا

اور آپ کی پاکیزہ صحبت و روحانی تعلیم سے بھی مستفید ہو چکے تھے۔ اِن فدائیانِ اسلام کی قدسی صورتیں اسی سرزمین کے آغوشِ محبت میں گنجِ بے رنج کی طرح مدفون ہوئیں۔ اگرچہ ہم کو اِس کنزِ مخفی کا پتہ نہیں ہی مگر یہ یقینی ہی کہ بمبئی اور بھروچ کے گرد و نواح میں یہ خزانہ سپرد خاک ہوا ہوگا۔

اُس زمانہ میں بمبئی کا نام و نشان بھی نہ تھا، اور آج جہاں آپ کو یہ چہل پہل اور گرم بازاری نظر آتی ہی وہاں جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا ایک غیر آباد ٹاپو تھا۔ مگر اسی کے پاس تھانہ (جس کو عربی کتابوں میں تانہ لکھتے ہیں اور جو اب ضلع تھانہ کا صدر مقام ہی) بہت بارونق اور آباد بندر تھا۔ اِسی پر سب سے پہلے مُسلمانوں کا حملہ ہوا تھا[1]

دوسرا حملہ اس کے بعد دوسرا حملہ حکم بن ابی العاصیؓ نے بھروچ پر کیا جس کو عربی کتابوں میں بروج یا بروص کے نام سے یاد کیا جاتا ہی، اور جو اُس زمانہ میں نیل اور لاکھ کی تجارت کی وجہ سے ہندوستان کا سب سے پُر رونق اور آباد بندر تھا۔[2]

اِن دونوں حملوں میں حکمؓ کو اچھی خاصی کامیابی ہوئی۔ مگر چونکہ فاروق اعظمؓ کی رائے دریائی سفر کے خلاف تھی اس واسطے مدت تک مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔[3]

تیسرا حملہ ۹۳ھ میں ملک سندھ مسلمانوں کے قبض و تصرف میں آیا اور ۱۰۷ھ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ دمشق نے جنید بن عبدالرحمن مری کو سندھ کی حکومت تفویض کی۔

[1] فتوح البلدان بلاذری [2] معجم البلدان حموی [3] فتوح البلدان

جنید من چلا آدمی تھا، اُس نے چند روز میں اپنے زیرِ حکومت علاقہ کا مناسب بندوبست کرکے گجرات کی طرف توجہ کی اور اپنی طرف سے لوگوں کو عربی فوجوں کے ساتھ کچھ پر روانہ کیا جس کو عربی کتابوں میں قصّہ لکھتے ہیں۔ یہ فوجیں بھروچ کو تہ و بالا کرتی ہوئی مالوہ میں گھس آئیں اور ہر طرف جا جا کر انھوں نے فتوحات حاصل کیں، دشمنوں کو ہر جگہ پسپا کیا، غنیمتیں پائیں۔[1]

چوتھا حملہ اور پہلا مُسلمان مُصنّف

کچھ دنوں کے بعد المہدی باللہ العبّاسی خلیفہ بغداد نے عبدالملک بن الشہاب المسمعی کو ۱۵۹ھ میں کافی ساز و سامان کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ کیا۔ اُس کے ہمراہ فوجِ مطوّعہ (والنٹر) بھی تھی اور اُن میں ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا، اور یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حدیث شریف میں کتاب تصنیف کی تھی۔ فاضل چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے هُوَ اَوَّلُ مَنْ صَنَّفَ فِی الْاِسْلَامِ[2]

یہ فوجِ کثیر ۱۶۰ھ میں باربد[3] پہونچی، اور اس نے فتوحاتِ عظیمہ حاصل کیں۔ وہ زمانہ دریا کے چڑھاؤ کا تھا۔ اُترنے کے انتظار میں عبدالملک نے کچھ دنوں وہاں قیام کرنا مناسب سمجھا۔ یہ اسی انتظار میں تھا کہ دفعۃً ہوا میں عفونت پیدا ہوئی اور ایک ہزار آدمی وبا کا شکار ہوگئے۔ ربیع بن صبیح کا بھی اسی بیماری میں انجام بخیر ہوگیا۔ اور وہ اسی

---

[1] فتوح البلدان [2] ترجمہ: مسلمانوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب تصنیف کی [3] مجکو اب تک یقینی طور پر معلوم نہیں کہ باربد کس نام کا معرّب ہے اور یہ کہاں پر تھا عربی تاریخوں میں بتایا ہے کہ یہ شہر سندھ کا کوئی شہر ہے مگر مجکو اس کا یقین نہیں عرب مؤرخوں کا دستور ہے کہ وہ ہندوستان کے ہر شہر کو سندھ بتا دیتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ یہ مقام خلیج کنبایہ (کھمبات) میں کہیں واقع تھا

سرزمین میں پیوند خاک ہو گئے[1]۔ یہ دوسرا شرف اس سرزمین کو حاصل ہے کہ ایسا شخص اُس کی آغوش میں سو رہا ہے جو فنِ حدیث کا پہلا مصنّف ہے بلکہ صاحب کشف الظنون کی رائے میں مسلمانوں میں پہلا شخص ہے جس نے کتاب تصنیف کی ہے۔

محمود غزنوی کا حملہ گجرات پر

اس کے بعد سلطان محمود غزنوی کو گجرات کا خیال پیدا ہوا۔ اور وہ تین ہزار فوج کے ساتھ ٤١٦ھ میں ملتان آیا، اور وہاں سے گجرات کا ارادہ کردیا۔ راستہ نہایت دشوار گزار تھا اور پانی کمیاب مگر عزم ملوکانہ کے سامنے کوئی دشواری پیش رفت نہیں ہوئی۔ وہ ریگستانوں کو طے کرتا ہوا انہلواڑہ پہونچا جو اس زمانہ میں راجہ بھیم کا دارالحکومت تھا اِسی کو عربی تاریخوں میں نہروالہ لکھا ہے اور زمانہ مابعد میں پٹن اور عربی میں فتن کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ سلطان محمود انہلواڑہ کو زیر و زبر کرتا ہوا آگے بڑھا، اور دیولواڑہ کو جو اس زمانہ میں دوسرے درجہ کا شہر تھا فتح کرکے سومنات کا قصد کیا جو ساحل گجرات پر ہندوؤں کا نہایت مشہور تیرتھ گاہ تھا اور ریاست جوناگڈھ کے حدود حکومت میں داخل ہے۔ سومنات میں محمود کو سخت دشواریاں پیش آئیں مگر آخر کار وہ تمام دشواریوں پر غالب آیا، اور بے شمار مال و دولت لے کر بخیر و خوبی غزنی واپس گیا[2]۔

شہاب الدین غوری کے متعدد حملے

پھر ٥٧٤ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے اُسی ملتان کی راہ سے گجرات پر دھاوا کیا۔ اُس زمانہ میں جو راجہ گجرات میں برسرِ حکومت تھا اُس کا نام بھی راجہ بھیم دیو تھا۔ اُس سے سخت لڑائی ہوئی اور

[1] تاریخ ابن خلدون و کامل ابن الاثیر [2] کامل ابن الاثیر

شہاب الدین کو شکست اُٹھانا پڑی اِس شکست سے مسلمانوں کی ہمّتیں ٹوٹ گئیں مگر چند روز میں خدا نے لاہور و دہلی کی فتوحاتِ عظیمہ سے اُس کا نعم البدل کر دیا[۱]

سنہ ۵۹۱ھ میں اجمیر کے فتح ہونے کے بعد قطب الدین ایبک نے غالباً اپنے آقا شہاب الدین غوری کی اجازت سے گجرات پر دوبارہ حملہ کیا اور نہروالہ تک پہونچکر بھیم دیو کو میدانِ جنگ میں شکست فاش دی اور اُس سے خرچۂ جنگ وصول کر کے دہلی کو بخیر وخوبی معاودت کی۔ مگر اس فتح عظیم سے شہاب الدین غوری کے حوصلہ مند دل کو تسکین نہیں ہوئی۔ اُس نے سنہ ۵۹۷ھ میں پھر قطب الدین ایبک کو گجرات کی مہم پر روانہ کیا، اور اس مرتبہ قطب الدین نے بھیم دیو کو شکست دے کر نہروالہ پر قبضہ کر لیا۔ بھیم دیو وہاں سے ہٹ کر محفوظ مقاموں میں پناہ گزیں ہو گیا۔ سلطان شہاب الدین کو جب یہ خبر پہونچی تو اُس نے خیال کیا کہ جب تک وہ خود یا قطب الدین گجرات میں قیام نہ کرینگے ملک کا قرار واقعی بندوبست نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے اُس نے قطب الدین کو حکم دیا کہ وہ بھیم دیو سے سالانہ خراج پر مصالحت کر کے واپس آئے۔ اُس نے حکم کی حرف بحرف تعمیل کی اور دہلی کو واپس آگیا[۲]

علاالدین خلجی کا حملہ اور گجرات پر مسلمانوں کا تسلط

اِس کے بعد ہندوستان کے سب سے بڑے فاتح اور مقنن سلطان علاء الدین خلجی نے سنہ ۶۹۶ھ میں اُلغ خاں کو معقول ساز و سامان کے ساتھ تسخیر گجرات کے واسطے روانہ کیا۔ اُس زمانہ میں گجرات کی

[۱] کامل ابن اثیر [۲] کامل ابن الاثیر

سب سے اخیر فرماں روا راجہ کرن کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تھی۔ اُس نے جان توڑ کر مدافعت کی اور اپنا سارا زر خرچ کرنے کے بعد دیو گڈھ چاندہ میں پناہ گزیں ہوگیا۔ اور اُس کے ہاتھی، گھوڑے، خزانہ اور تمام سامان تجمل اُلغ خاں کے ہاتھ آگیا۔ قیدیوں میں رانیاں اور راجہ کی بیٹی دیولدی رانی بھی ہاتھ آئی۔ ان سب کو اُلغ خاں نے دہلی روانہ کر دیا، اور نہروالہ کو مرکز حکومت قرار دے کر خاص نہروالہ میں جامع مسجد کی تعمیر شروع کر دی جو غالباً گجرات میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ اسی اُلغ خاں کو اہل گجرات الپ خاں اور الف خاں کے ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔

دیولدی رانی وہ ہے جس کی تعلیم و تربیت دہلی میں شاہزادیوں کی طرح سے کی گئی اور سلطان علاالدین خلجی کے بڑے بیٹے خضر خاں کا اُس کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ امیر خسروؒ نے مثنوی عشیقہ میں جس کا نام دولرانی خضر خاں ہے ان دونوں کے تعشق کا قصہ نہایت دھوم دھام سے لکھا ہے، اور یہ مثنوی (یادش بخیر نواب حاجی محمد اسحق خاں مرحوم کی توجہ سے) کلیات خسروؒ کے سلسلہ میں شایع ہو چکی ہے۔ اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

دول رانی کہ ہست اندر زمانہ ۔۔۔ ز طاؤسانِ ہندستاں یگانہ

برسم ہندواں از نامِ نابش ۔۔۔ در اوّل بود دیولدی خطابش

بنامِ آں پری چوں دیورہ داشت ۔۔۔ فسونِ بندہ زاں دیوش نگہ داشت

اُلغ خاں نے بیس برس تک گجرات میں نہایت خوش اسلوبی سے حکمرانی کی اور

۱؎ تاریخ فرشتہ مسمّی بہ گلزار ابراہیمی مُصنّفہ محمد قاسم بن مولنا غلام علی استرآبادی

تمام ملک کو فتنہ و فساد سے پاک کر دیا۔ اُس کے بعد یکے بعد دیگرے اُمراء دہلی گجرات کی حکومت پر نامزد ہوتے رہے۔ اور ہر ایک نے اپنے اپنے حوصلہ و طاقت کے موافق ملک میں سکون و اطمینان پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اِن لوگوں کے حالات جستہ جستہ فارسی تاریخوں میں ملتے ہیں۔ یہ ایک مؤرّخ کا فرض ہے کہ ان سب حالات کو یکجا کر کے گجرات کی مفصّل تاریخ مرتّب کرے، جو افسوس ہے کہ اب تک نہیں ہوئی۔

گجرات میں مسلمانوں کی خود مختار سلطنت

فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں[۱] بہمنی خاندان کی خود مختار سلطنت دکن میں قائم ہو چکی تھی۔ بنگالہ اور کشمیر میں پہلے ہی سے خود سر فرماں روا حکومت کر رہے تھے، اُس کے مرنے کے بعد اولاد کی ناقابلیت اور خانہ جنگیوں سے دیگر اطراف و جوانب میں بھی فتنہ و فساد برپا ہو گیا۔ گجرات کے گورنر نے بھی بغاوت اختیار کی۔ اُس وقت فیروز شاہ کے بیٹے محمد شاہ کے کمزور ہاتھوں میں عنانِ سلطنت تھی۔ اُس نے ظفر خاں اپنے ایک امیر کو سنہ ۷۹۳ھ میں گجرات کی حکومت دے کر روانہ کیا[۲]

[۱] حقیقت یہ ہے کہ محمد شاہ تغلق کی سفاکیوں سے تنگ آکر اسی کے زمانہ میں علاء الدین حسن بہمنی نے شاہی لشکر کو پے درپے شکستیں دیکر آزادی حاصل کر لی تھی اور گلبرگہ کو اپنا مستقر حکومت قرار دے لیا تھا مگر چونکہ محمد شاہ تغلق نے اُسی زمانہ میں وفات پائی اور فیروز شاہ اُس کا جانشین ہوا جس کو اپنی حکومت کے قیام و بقا کی فکروں سے اس کا موقع نہیں ملا کہ وہ اس نوخیز حکومت کو جمنے نہ دیتا اس واسطے علاء الدین کو اس کا اچھا خاصہ موقع مل گیا کہ اُس نے اپنی عظیم الشان سلطنت دکن میں قائم کر لی۔ اِسی وجہ سے میں نے اِس کو فیروز شاہ کے زمانہ کا واقعہ قرار دیا ہے

[۲] حسنِ اتفاق دیکھو کہ محمد شاہ اور اُس کے بیٹے محمود شاہ نے چار شخصوں کو ہندوستان کے بڑے بڑے صوبوں کی حکومتیں دیں اور آخر کار اُن چاروں نے خود مختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ ظفر خاں کو گجرات

بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳ پر

ظفر خاں گجرات بھیجا گیا

ظفر خاں نے گجرات پہنچکر سب سے پہلے بغاوت فرد کی اُس کے بعد ملک کا ایسا قرار واقعی بندوبست کیا جس سے بہت جلد اطمینان و سکون پیدا ہو گیا، اور اُس کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ اپنے قرب و جوار کے راجاؤں کو مطیع و منقاد کرے۔ ظفر خاں کی محنت و جفاکشی کا چند روز میں ایسا عمدہ اثر ہوا کہ اُس کے حدودِ حکومت پہلے سے بہت بڑھ گئے۔

ظفر خاں نے خود مختار سلطنت قایم کر لی

یہاں یہ ہو رہا تھا اور دہلی کی سلطنت روز بروز تباہ ہو رہی تھی دہلی کے برائے نام بادشاہ پر اُس کا وزیر اقبال خاں مسلط ہو گیا تھا، اور حکمرانی کے کل اختیارات اُس کے قبضۂ اقتدار میں آچکے تھے۔ تیمور گورکان کی حریصانہ نگاہ ہندوستان پر عرصہ سے پڑ رہی تھی۔ اب اُس کے لیے میدان خالی تھا اُس نے ۸۰۱ھ میں دہلی پہنچکر اُس کی رہی سہی عظمت بھی خاک میں ملا دی اور فیروز شاہ کا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔

جونپور اور مالوہ کے حکام خود مختار ہو گئے۔ ظفر خاں کے واسطے بھی اس کا موقع تھا کہ وہ بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دے مگر اُس نے عرصہ تک اس کی جسارت نہیں کی انجام کار علمار و مشایخ کی استدعا اور اپنے بڑے بیٹے تاتار خاں کے اصرار بلیغ سے ۸۱۰ھ میں اُس نے مظفر شاہ لقب اختیار کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ دہلی مرحوم کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲) بھیجا گیا خضر خاں کو ملتان دلاور خاں کو مالوہ ملک سرور کو جونپور ان میں سے خضر خاں کو تیمور نے دہلی کا بادشاہ بنا دیا اور دلاور خاں ملک سرور خود ہی آزاد ہو گئے ظفر خاں کچھ دنوں رکا رہا آخر کار اُس کو بھی یہی کرنا پڑا جو اُس کے ساتھیوں نے کیا تھا، دہلی کی سلطنت پنجاب میں محدود ہو کر رہ گئی

تباہ شدہ خاندانوں کو جو افغانستان وغیرہ سے گجرات پہنچ گئے تھے اپنے سایہ عاطفت میں جگہ دی علما و مشایخ کو باطمینان زندگی بسر کرنے اور دلجمعی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے کے سامان کر دیئے، اور ۸۱۴ھ میں نیک نامی کے ساتھ سفر آخرت اختیار کیا[۱]

احمد شاہ اوّل مظفّر شاہ کے مرنے کے بعد اس کا پوتا احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ یہ تاتار خاں کا بیٹا تھا جس نے اپنے باپ کی زندگی میں وفات پائی تھی۔ یہ بڑا اولوا العزم بادشاہ تھا سب سے پہلے اس نے اپنے نام پر احمد آباد کا سنگِ بنیاد نصب کیا۔ اور ایسی خوش اسلوبی سے اس کو آباد کیا جو عرصہ دراز تک ہندوستان کا بے نظیر شہر سمجھا جاتا رہا ہے۔ اسی کے ساتھ احمد شاہ نے ہندو راجاؤں کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی سرحدوں کو مضبوط کرنے کی طرف توجہ کی، اور اس کی وجہ سے اس کو بارہا خونخوار جنگوں میں مبتلا ہونا پڑا جن میں وہ ہمیشہ مظفّر و منصور رہا، اور گرد و پیش کے بڑے بڑے راجہ اس کو پیشکش دینے پر مجبور ہو گئے۔ اس کی حکمرانی کا سب سے بڑا کارنامہ اس کے ضوابط و قوانین تھے جو اس نے اپنے وزرا کے مشورہ سے مقرر کئے تھے اور مظفّر شاہ حلیم کے زمانہ تک قایم رہے۔ اس بادشاہ نے کچھ اوپر بتّیس برس حکمرانی کر کے ۸۴۶ھ میں وفات پائی۔

محمد شاہ احمد شاہ کے مرنے پر اس کا بیٹا محمد شاہ جانشین ہوا یہ عافیت پسند اور فیاض طبیعت تھا اس کی سخاوت و فیاضی کی وجہ سے لوگ اس کو زربخش و لک بخش کہا کرتے تھے۔ اسی کے زمانہ میں محمود شاہ خلجی بادشاہ مالوہ نے گجرات پر چڑھائی کی۔ وزرا نے ہرچند

[۱] تاریخ فرشتہ

اُس کو مدافعت کے واسطے تیار کرنا چاہا یہ آمادہ نہیں ہوا۔ اُن کو یہ بات محسوس ہوئی کہ یہ بھاگ جانا چاہتا ہی مجبوراً اُنھوں نے زہر دے کر اِس کا کام تمام کر کے اس کے بیٹے کو تخت نشین کر دیا۔ اِس نے کچھ کم نو برس حکمرانی کر کے ۸۵۵ھ میں وفات پائی۔

قطب الدین احمد شاہ

محمد شاہ کے مرنے پر اُس کا بڑا بیٹا قطب الدین تخت نشین ہوا اس نے احمد شاہ اپنا نام رکھا دلیری اور بہادری میں اپنے باپ کا نعم البدل تھا۔ اِس نے سب سے پہلے محمود شاہ خلجی کا مقابلہ کیا اور اُس کو پے در پے شکستیں دیں اس کے بعد اُس کو معلوم ہوا کہ رانا کونبھا والی میواڑ نے ناگور پر حملہ کر دیا ہی۔ یہ برق و باد کی طرح اُس کی طرف جھپٹا اور اُس کو بھی شکست دی۔ رانا نے چتور کا سہارا لیا۔ یہ وہاں بھی پہنچا اور آبو کا قلعہ فتح کر کے رانا سے پیش کش وصول کی اور اُس سے قولنامہ حاصل کیا کہ وہ آیندہ بھی ناگور کی طرف رُخ نہ کریگا۔ ۸۶۳ھ میں کچھ اوپر آٹھ برس حکمرانی کر کے اِس نے وفات پائی

محمود شاہ اوّل

قطب الدین کے مرنے کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی فتح خاں محمود شاہ کا لقب پا کر تختِ سلطنت پر چودہ برس کی عمر میں جلوہ افروز ہوا۔ اِس کو خدا نے وہ تمام صفاتِ حسنہ عنایت کیے تھے جو حکمرانی کے لیے لازم ہیں اِس نے جوناگڈھ اور چانپانیر کے راجاؤں پر فوج کشی کی اور اِن دونوں ریاستوں کو ممالک محروسہ سے ملحق کر لیا محمود شاہ خلجی نے دکن پر فوج کشی کی تو اُس نے اہل دکن کی مدد کے واسطے ایک عظیم الشان فوج روانہ کر دی جس سے محمود شاہ کو بے نیل مرام واپس جانا پڑا۔ شاہانِ برہانپور کو جب کبھی ضرورت پیش آئی اُس نے اُن کو بھی مدد دی۔ خود اپنے ملک کے لوگوں کی ایسی حوصلہ افزائی

کی کہ سارا ملک سرسبزی و شادابی میں باغِ بہار نظر آنے لگا۔ دیہات اور قصبے آباد و معمور ہو گئے۔ احمد آباد صنعت و حرفت کا مرکز بن گیا۔ سورت، بھروچ، مہائم، کنبایہ (کھمبات) دیو اور دمن وغیرہ بنادرِ گجرات تجارت کی گرم بازاری سے بہت آباد اور پُر رونق ہو گئے نہروالہ، بڑودہ، سلطان پور، احمد نگر وغیرہ کی شہریت میں اضافے کیے گئے۔ چانپانیر کے قریب محمد آباد، جوناگڈھ میں مصطفیٰ آباد، اور احمد آباد سے بارہ کوس پر محمود آباد کے نام سے متعدد شہر آباد کیے گئے۔ ہر ایک جگہ مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کی گئیں۔ سکندر شاہ لودی نے تحائف بھیجکر محمود شاہ سے دوستی کا اظہار کیا۔ سکندر لودی کا مقولہ تھا:-

"مدار بادشاہِ دہلی بر گندم و جوارست بنیادِ بادشاہِ گجرات بر مرجان و مروارید که ہشتاد و چہار بندر در تحت بادشاہِ گجرات ست"[۱]

محمود شاہ نے چوّن سال تک کامیاب حکومت کرنے کے بعد ۹۱۷ھ میں وفات پائی۔

مظفّر شاہ حلیم محمود شاہ کے بعد اُس کا فرزند رشید نعم الخلف لنعم السّلف کا صحیح مصداق مظفّر شاہ حلیم تاج و سریر کا مالک ہوا۔ علوم و فنون میں یہ علّامہ محمّد بن محمّد الایجی کا شاگرد تھا اور حدیث علّامہ جمال الدین محمّد بن عمر بحرق سے پڑھی تھی۔ قرآن مجید کے حفظ کر لینے کا شرف ایسی عمر میں اس کو نصیب ہوا تھا جس کی نسبت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں "در ایّامِ جوانی چناں کہ افتد و دانی"۔ اِس فضل و کمال کے ساتھ تقویٰ اور عزیمت کی دولت بھی اِس نے خداداد پائی تھی۔ تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا۔ ہمیشہ باوضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ

---

[۱] مرآۃ سکندری۔ مُصنّفہ مرزا سکندر بن محمّد اکبر گجراتی

پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوٹے، شراب ناب کو کبھی مُنھ سے نہیں لگایا، کبھی کسی پر بے جا سختی نہیں کی، بدزبانی سے کبھی اپنے مُنھ کو گندہ نہیں کیا۔ عجیب تر یہ کہ اس پیکرِ تقدس میں سپہگری اور ملک داری کی صفتیں بھی علیٰ وجہ الکمال مجتمع تھیں مالوہ کی فتوحاتِ عظیمہ تاریخوں میں پڑھیئے اور اُن سے اس کے اخلاقِ فاضلہ کا اندازہ کیجئے۔ اِس نے کم و بیش چودہ برس حکومت کرنے کے بعد ۹۳۲ھ میں حیاتِ جاوید حاصل کی۔

بہادر شاہ مظفر شاہ کے بعد اُس کا بیٹا سکندر شاہ تخت نشین ہوا مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کو اپنے بھائی بہادر شاہ کے واسطے تخت خالی کر دینا پڑا۔ بہادر شاہ حقیقت میں اسم بامسمّیٰ تھا اُس کے تخت نشین ہوتے ہی ہندوستان میں ہل چل پڑ گئی۔ شاہانِ دکن کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے، نظام شاہ نے احمد نگر میں عماد شاہ نے برار میں اور محمد شاہ نے برہان پور میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ مالوہ کی عظیم الشان سلطنت ممالک محروسہ گجرات کے ساتھ ملحق کر لی گئی، چتوڑ اور رنتھنبور کے فلک فرسا قلعے بڑی آسانی سے فتح کر لیئے گئے بیانہ کا قلعہ خاک کی برابر کر دیا گیا۔ اب اس کے بعد آگرہ اور دہلی کا نمبر تھا، مگر جب تقدیر بگڑتی ہے تو تدبیر مساعدت نہیں کرتی۔ رومی خاں نمک حرام کی سازش سے ہمایوں کے مقابلہ میں اس کو شکست ہوئی۔ اور پرتگیزوں کی غدّاری سے ۹۴۳ھ میں یہ قتل کر دیا گیا۔ بندر گوہ پر پہلے سے پرتگیزوں کا قبضہ تھا جو شاہانِ بیجاپور سے وہ لے چکے تھے اب بندر دیو پر بھی وہ متصرف ہو گئے جو پھر کبھی مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آیا۔[1]

---

[1] مرآۃ سکندری

محمود شاہ دوم | بہادر شاہ کے بعد اُس کا بھتیجا محمود شاہ تخت نشین ہوا۔ علما کی قدر دانی میں یہ اپنے اسلاف سے کم نہیں تھا۔ دعوتوں میں اس کا دستور تھا کہ اپنے ہاتھ میں آفتابہ لے کر علما کے ہاتھ دھلاتا تھا۔ اُس کے زمانہ میں سرمایۂ نازش ہندوستان شیخ علی متقی دوبارہ ہندوستان تشریف لائے اور اسی کے زمانہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ مکہ معظمہ میں باب العمرہ کے متصل قایم کیا گیا، جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اور عزالدین عبد العزیز زمزمی وغیرہ علماء مکہ تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے۔ علاوہ اس کے کئی رباط اور مکتب مکہ معظمہ میں تعمیر کیے گئے۔ محمود شاہ نے اسی پر قناعت نہیں کی، بلکہ اُس نے خلیج کنبایت (کھمبات) میں ایک بندر کی آمدنی محض حرمین محترمین کے رہنے والوں کے واسطے وقف کر دی تھی جہاں سے ایک لاکھ اشرفیوں کی قیمت کا مال جدّہ بھیجا جاتا تھا، اور اس کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوتا تھا وہ خزانہ شاہی سے دیا جاتا تھا۔ اُس مال کے فروخت سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی وہ سب اہل حرمین محترمین پر تقسیم کر دی جاتی تھی[1]۔ یہ مخیر بادشاہ ۹۶۱ھ میں بعض نمک حراموں کی غداری سے قتل کیا گیا۔

محمود شاہ کے شہید ہونے پر گجرات کی سلطنت بازیچۂ اطفال ہو گئی۔ انجام کار ۹۸۰ھ میں اکبر شاہ تیموری نے اُس پر قبضہ کر لیا اور چند دنوں کی کش مکش کے بعد ۹۹۲ھ میں اپنے ممالک محروسہ کے ساتھ اُس کا الحاق کر دیا۔ وَالْاَرْضُ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ۔ زمین خدا کی ہے جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

---

[1] ظفر الوالہ مصنفہ محمد بن عمر آصفی

شاہانِ گجرات کے خصائصِ حکمرانی

اس مبارک خاندان نے ایک سو چوراسی برس تک گجرات میں فرماں روائی کی اور اپنی حکمرانی کا ایسا بہتر نمونہ پیش کیا ہے جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں بمشکل مل سکتی ہے۔ ایک جانب اُن کی جبروت وسطوت کی وہ دھاک ہے کہ راجپوتانہ کا رانا سانگا راتوں کو میٹھی نیند نہیں سوسکتا، چتور ورنتھبور کے سر بفلک کشیدہ قلعے جن پر دہلی کے عظیم الشان بادشاہوں نے برسوں زور آزمائیاں کی ہیں مہینوں میں مسخر ہو گئے۔ مانڈو کا قلعہ جو مالوہ کی کلیدِ حکومت تھا، ایک ہی عزم ملوکانہ میں مفتوح ہو جاتا ہے، بااین ہمہ متانت وسنجیدگی کا یہ عالم بھی ملاحظہ ہو کہ شاہانِ مالوہ نے تقریباً سو برس تک سلاطینِ گجرات پر فوج کشی کرنے کی سعیِ بےحاصل کی تاہم جس وقت محمود شاہ دویم مالوہ کی غفلت وبدتدبیری سے اُس کے وزیر مندلی رائے نے زمام حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے کر محمود شاہ کو بےدخل کر دیا اور شعائر اسلام کو مٹا کر رسومِ کفر کی ترویج شروع کر دی، مظفر شاہ حلیم علیہ الرحمۃ کی رگِ حمیت کو جنبش ہوئی جو اُس وقت گجرات کا فرماں روا تھا اُس نے افواج قاہرہ کے ساتھ مالوہ کی جانب نہضت فرمائی اور کوچ در کوچ کرتا ہوا مانڈو پہنچا، اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ مندلی رائے نے یہ سمجھ کر کہ وہ خود تابِ مقاومت نہیں لاسکتا رانا سانگا کو بیش بہا تحایف کا لالچ دے کر اپنی مدد کے واسطے بلایا۔ وہ ہنوز سارنگ پور تک نہیں پہنچا تھا کہ مظفر شاہ حلیم نے اُس کی مدارات کے لیے اپنی فوج ظفر موج کا ایک معقول حصہ آگے کو روانہ کر دیا جس سے رانا کو آگے بڑھنے کی جرأت

نہو سکی، اور قبل اس کے کہ مندلی رائے کو اطراف و جوانب سے کمک پہونچے قلعہ کو مسخّر کر لیا۔

خلوصِ نیّت کا اسلامی نمونہ

جانِ سخن یہ ہی کہ تسخیرِ قلعہ کے بعد جس وقت مظفّر شاہ حلیم اندر داخل ہوا اور اُمرا ہم رکابِ شاہانِ مالوہ کے سامانِ تجمل اور خزائن و دفائن کو ملاحظہ کیا اور اُس ملک کی سرسبزی و شادابی پر اطلاع پائی، تو انھوں نے جسارت کر کے مظفّر شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اِس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار جرّار درجۂ شہادت کو پہنچ چکے ہیں یہ مناسب نہیں ہی کہ اس قدر نقصان اُٹھانے کے بعد پھر ملک کو اُسی بادشاہ کی حوالہ کر دیا جائے جس کی سوء تدبیری سے مندلی رائے نے اس پر قابو پالیا تھا۔ بادشاہ نے یہ سُنتے ہی سیر موقوف کی اور قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اُس کے ہمرکاب لوگوں میں سے کسی کو قلعہ کے اندر نہ جانے دے۔ محمود نے باصرارِ تمام اس بات کی التجا کی کہ بادشاہ چند روز قلعہ کے اندر آرام فرمائیں مگر مظفّر شاہ نے اِس التجا کو قبول نہ فرمایا اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ جہاد و غزا محض خداوندِ برحق کی رضامندی حاصل کرنے کو کیا تھا، مجکو امرا کی تقریر سے اِس بات کا اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا کوئی خطرۂ فاسد میرے دل میں پیدا ہو اور میرا خلوص نیت برباد ہو جائے۔ میں نے محمود پر کچھ احسان نہیں کیا بلکہ محمود کا مجھ پر احسان ہی کہ اُس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی[1]

اِس نئی روشنی کے زمانہ میں اس واقعہ کو خدا جانے کس نظر سے لوگ دیکھینگے

---

[1] مرآۃ سکندری

میرے نزدیک تو یہ واقعہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہی اور اس کی تہ میں اس قدر خلوص، فیّاضی، ایثار اور بلند حوصلگی کے جلوے نظر آتے ہیں جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہی۔

بلند حوصلگی کا ایک اور نمونہ

اُن کی بلند حوصلگی کا یہی ایک واقعہ نہیں ہی، بلکہ گجرات کی تاریخ اِس قسم کے واقعات سے لبریز ہی۔ سب جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں گجرات کی گرد و پیش کس قدر اسلامی سلطنتیں قایم تھیں، ایک جانب مالوہ اور خاندیس کی حکومتیں دوسری جانب دکن کی وسیع مملکت جس پر سلاطینِ بہمنیہ نے مدّت دراز تک حکمرانی کی اور اُن کے مٹنے پر اُس ایک کے پانچ ٹکڑے ہو گئے۔ بیجاپور، احمدنگر، برار، بدر اور گول کنڈہ ہر جگہ ایک نیا خاندان برسرِ حکومت ہو گیا۔ اِن میں کوئی کمزور تھا اور کوئی شہ زور یہ بہت ممکن تھا کہ شاہانِ گجرات اس طوائف الملوکی سے فائدہ اُٹھا کر اپنی حدود سلطنت کو اور زیادہ وسیع کر لیتے، مگر تاریخ بتاتی ہی کہ ان حوصلہ مند بادشاہوں نے کبھی حرصِ بیجا سے اپنے دامن کو آلودہ ہونے نہیں دیا۔ محمود شاہ مالوی نے جس کو توسیعِ سلطنت کا زیادہ شوق تھا جب کبھی شاہانِ دکن پر چڑھائی کی تو سلاطین گجرات سینہ سپر ہو گئے، اور ان کی فوجوں نے بڑھ کر اُس کا مُنھ پھیر دیا۔ بااین ہمہ ان اولوالعزموں نے شاہانِ دکن سے کبھی خرچۂ جنگ نہیں مانگا نہ اِس امداد کے حیلہ سے اپنی حدود کو آگے بڑھانے کی خواہش کی، نہ اُن پر احسان جتایا۔ وہ اِس کو اپنا فرض سمجھتے تھے اور کرتے تھے۔ محمود شاہ اوّل بادشاہِ گجرات کا وہ خط ملاحظہ کیجیے جو اُس نے محمود شاہ مالوی کو ایک بار تنگ

آکر لکھا ہی جس میں اُس کو اِس حرصِ بے جا پر سرزنش کی ہی اور لکھا ہی کہ اہل اسلام کو ستانا اور اُن کے مُلک کو تاخت وتاراج کرنا شیوۂ مردانگی کے خلاف ہی، اِس کا خیال آپ کو چھوڑ دینا چاہیئے، ورنہ جب کبھی آپ دکن کا رُخ کرینگے مجکو مانڈو پہنچا ہوا پائینگے[۱]

عدل و انصاف کا نمونہ

آپ ایک طرف اُن کو جہاد و غزا پر آمادہ پاتے ہیں تو دوسری جانب یہ نظر آتا ہی کہ اپنی رعایا کی خبر گیری میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اُن کے معدلت و انصاف کے سامنے دوست و دشمن یکساں نظر آتے ہیں۔ اگر اُن کا کوئی عزیز قریب بھی ارتکابِ جُرم کرتا ہی تو اُس کو بھی وہی سزا دی جاتی ہی جو کسی بے گانہ شخص کو دی جاتی، یا جو سزا اِس جُرم کی پاداشں میں ملنی چاہیئے تھی۔ احمد شاہ غفران پناہ کے داماد نے غرورِ جوانی میں خونِ ناحق کردیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی اُس نے اُس کو گرفتار کرکے قاضی کی عدالت میں بھیج دیا۔ قاضی صاحب نے بادشاہ کے داماد کو قصاص سے محفوظ رکھنے کے لیے مقتول کے وارثوں سے گفت و شنید کی اور اُن کو بجائے ایک دیت کے دو دیت لے کر قاتل کو معافی دینے پر رضامند کرلیا۔ ممکن ہی کہ وارثانِ مقتول پر بھی ہیبتِ سلطانی غالب آگئی ہو اور اُنھوں نے دیت مِل جانے ہی کو غنیمت سمجھا ہو۔ بہرحال بادشاہ کو اِس کی اِطّلاع دی گئی۔ فرمایا کہ وارثانِ مقتول گو دیت لینے پر رضامند ہیں تاہم اُس کو قبول نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ دولت مندوں کو قتلِ ناحق پر دلیری ہوگی، یہ کہہ کر حکم دیا کہ مجمعِ عام میں قاتل کا سر اُڑا دیا جائے[۲]

---

[۱] مرآۃ سکندری ۵۲ مرآۃ سکندری

اِصلاحاتِ ملکی اِس انصاف و معدلت کے ساتھ حکمرانی کرتے ہوئے آپ اُن کو پائینگے کہ وہ رعایا کی خبر گیری، یتیموں اور بیوؤں کی دستگیری، علما و مشایخ کی حوصلہ افزائی اور ملک کی سرسبزی و شادابی کے بہترین مشغلوں میں مصروف ہیں جھاڑیوں اور جنگلوں سے ملک صاف کیا جاتا ہی، شہروں اور قصبوں کی آبادی کی کوشش ہوتی ہی۔ عمارتیں بنتی ہیں، باغات تیار ہوتے ہیں، جو میوے اور پھول پھل اُس وقت تک گجرات میں نہیں پہونچے تھے، وہ دُور دراز مقامات سے منگوا کر لگائے جاتے ہیں، ایران و خراسان سے ہنرمند اور کارگزار بُلائے جاتے ہیں۔ وہ فوّارے اور آبشاریں تیار کرتے ہیں، بڑے بڑے وسیع و عمیق تالاب سنگ بست بنوا کر بیچوں بیچ میں جزیرے چھوڑے جاتے ہیں اور اُن میں ہرے بھرے باغ اور طرحدار عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں، جہاں کشتیوں کے ذریعہ سے انسان پہونچکر روح میں بالیدگی اور دماغ میں شگفتگی کے سامان مہیّا پاتا ہی۔ آم، انجیر، کیلہ، سنگترہ، انگور، انار، کمرک، فالسہ، ناریل، جامن، آنولہ، کٹھل، بڈہل، کھرنی۔ اور پھولوں میں گلاب، سیوتی، چنبیہ، چمپلی، بیلہ، موگرہ، جوئی، کیتکی، کیوڑہ وغیرہ دُور دُور سے منگوا کر باغوں کو اُن سے آراستہ کیا جاتا ہی۔ اُمرا چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں لطف یہ ہی کہ ملک کی سرسبزی و شادابی کی تمنا اسی پر قناعت نہیں کرتی، بلکہ اذنِ عام دیا جاتا ہی کہ جو شخص میوہ دار درخت لگائیگا اُس کو انعام دیا جائیگا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ ایک پیرزال کو بھی اس کی ہمّت ہوتی ہی کہ وہ اپنے مکان کے آس پاس میوہ دار درخت لگائے اور اِنعام حاصل کرے۔

محمود شاہ اوّل کی حوصلہ افزائی یہاں تک بڑھتی ہے کہ اثنائے راہ میں کسی بے نوا کے دروازے پر بھی کوئی نہال نظر آتا ہے تو سواری روک لی جاتی ہے، اُس کو بُلا کر پوچھا جاتا ہے کہ تم پانی کہاں سے لاتے ہو۔ اگر وہ کہتا ہے کہ دُور سے لانا پڑتا ہے تو اُس کے لیے کنوئیں کی تیاری کا حکم دیا جاتا ہے اور اُس کو کچھ روپیہ بھی عنایت ہوتا ہے کہ وہ بیش تراز بیش تر اپنے شغل کو جاری رکھ سکے۔ کوئی دوکان خالی نظر آتی ہے یا کوئی مکان گِرا پڑا دکھائی دیتا ہے، تو مقدموں اور متصدیوں کو بُلا کر اُن سے دریافت کیا جاتا ہے کہ یہ کیوں غیر آباد ہے۔ پھر جو اسباب اُس کی ویرانی کے ہوتے ہیں اُنکو دُور کر کے انتظام کیا جاتا ہے کہ یہ از سرِ نو آباد ہو جائے۔[۱]

زراعت کی ترقی خربزوں کی فصل میں فالیزوں کی کثرت اور فراوانی، کیلوں کے ہرے بھرے باغات لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی شادابی، اور ہر قسم کی اجناس کی پیداوار کو کچھ تو زمین کی مناسبت اور زیادہ تر اُن بیدار مغز بادشاہوں کی نیک نیتی کا ثمرہ سمجھنا چاہیئے۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ گجرات میں اچھّے قسم کا چاول نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بڑی پیداوار وہاں کی باجرہ، ارہر، موٹھ اور اِسی قسم کی چیزوں کی تھی۔ عمدہ قسم کے اجناس کی کاشت کم ہوتی تھی۔ شاہانِ گجرات نے لوگوں کو حوصلہ دلایا جابجا سے تخم منگوائے اور تقسیم کیے۔ چند دنوں میں عمدہ سے عمدہ قسم کا چاول وہاں پیدا ہونے لگا، نیشکر کی کاشت کو خوب ترقی ہوئی اور رعایا کو کاشتکاری کی جانب ایسا میلان ہوا کہ جس قدر حصّہ ملک کا

---

[۱] مرآۃ سکندری [۲] مرآۃ احمدی مصنفہ محمد بن محمد علی گجراتی

تھا اور اُس میں صُورت نظر آنے لگتی تھی شاہ جہاں نے قلعۂ معلّٰی کی عمارتوں میں اسی چونہ کی استرکاری کرائی تھی جو سینکڑوں برس گزر جانے پر اب بھی دیکھنے والوں کے واسطے آئینۂ حیرت ہے[۱]

محمود شاہ اوّل نے احمد آباد سے بارہ کوس پر ایک شہر محمود آباد کے نام سے آباد کیا تھا۔ محمود شاہ دوم جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اُس نے بجائے احمد آباد و محمد آباد (جانپانیر) کے جو اُس کے اسلاف کے زمانہ میں پایۂ تخت تھے، محمود آباد کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا اور احمد آباد سے محمود آباد تک دورویہ بازار تیار کیے اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ عمارتیں بنائیں اس طریقہ سے دونوں مل کر ایک شہر ہو گئے تھے، اور رفتہ رفتہ ہر قسم کی صنعتوں و حرفتوں کا مرکز نقل قرار پایا گیا تھا۔ مرزا امین بن احمد رازی نے ہفت اقلیم میں لکھا ہے۔

"احمد آباد، دار الملک گجرات ست بحیثیت لطافت و کیفیت آبادانی و شہرت بتمام ولایت ہند بسجان دارد و در نزاہت ساخت و لطافت ابنیہ و عمارات مستثنیٰ از بلدان دیگر ست اگر گفتہ شود در کل بلاد عالم باین عظمت و آراستگی شہرے موجود نشدہ اغراق و مبالغہ نبودہ باشد و بازارش بر خلاف شہرہائے دیگر نہایت وسعت و پیراستگی دارد و دکانش دو مرتبہ و سہ مرتبہ در کمال تکلّف و زینت ساختہ شدہ۔"

مرزا علی محمد نے مرآۃ احمدی میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے

---

[۱] مرآۃ احمدی

ہفت اقلیم

"الحق بخوبی آں شہر کمتر خواہد بود چنانچہ آں را زینت البلاد و عروس مملکت خوانند

اقمشۂ نادرہ بعمل می آید و باکناف و اطراف عالم می برند و تجارِ برّی و بحری از آں

منتفع می گردند مساجد و بازارہائے متعدّدہ دارد و در حوالی شہر سہ صد و شصت

پورہ آباد بود چوں نوبت سلطنت بسلطان محمود ثانی رسید محمود آباد دوازدہ

کروہی بلدہ را پایۂ تختِ خود گردانید و از احمد آباد تا آں جا بازارے دو رویہ ساخت

و مردم را فرمود تا براطرافِ آں عمارت ساختند کہ در حقیقت یک شہر شدہ بود

بتدریج ارباب صنایع و بدایع فراہم آمد و بہ تخصیص کار شعربافی و انواع اقمشۂ

زرّیں و ابریشمی از جنس کمخواب و قسطی و الاچہ و مخمل و چکن و زری و کارچوب بنابر

موافقتِ آب و ہوا و رنگ و بہار رواج بر جمیع ولایت ہندوستان برآمد کہ در اطراف

عالم و اقصائے بلدان ایران و توران و روم و شام بنام و نشان کار گجرات مشہور

و معروف شدہ"

اگرچہ دسویں صدی ہجری میں گجرات پر تباہی آئی، اور اکبر بادشاہ کی ملک ستانی

کی خواہش نے اس کو تباہ و برباد کر دیا، تاہم مدّت دراز تک آگرہ و دہلی کے درباروں کی

سجاوٹ گجرات ہی کی نفیس و نادر اشیاء سے کی جاتی تھی۔

شاہ جہاں ایّامِ شاہزادگی میں جب وقت گجرات کا گورنر مقرر ہو کر آیا اور یہاں کی

مصنوعات کو حُسن نے بچشم خود دیکھا تو ایک شاہی کارخانہ احمد آباد میں قائم کیا جس میں گجرات

کے ہُنر مند کاریگر کام کرتے تھے۔ اسی کارخانہ میں ایک تخت مرصّع دس لاکھ روپیہ

کی تیاری کا اور شمشیر کا پردلہ دو لاکھ کی تیاری کا اپنے پدر بزرگوار کو نذر دینے کے واسطے بنوایا تھا۔ ۱۰۳۶ھ میں جب باپ بیٹوں میں جھگڑا ہو گیا تو تخت کو صفی خاں دیوان گجرات نے توڑ پھوڑ کر مسکوک کر ڈالا اور پردلہ شاہجہاں کے کارپردازوں کے ہاتھ آگیا جو اس کو پہنچ گیا[۱]

دہلی میں قلعۂ معلّٰی اور تخت طاؤسی کے تیار ہونے پر جو ۱۰۴۴ھ میں دربار ہوا ہی اس کے لیئے زربفت کا شامیانہ ایک لاکھ روپیہ کی تیاری کا اسی کارخانہ میں تیار ہوا تھا جس کے مخملی سائبان اور طلائی و نقرئی ستونوں کے نقش و نگار احمدآباد کے کاریگروں کی ہنرمندی کا نتیجہ تھے۔ مرزا علی محمد نے مرآۃ احمدی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہی۔ وہ کہتا ہی

"و در روزِ نوروز سال ہزار و چہل و چہار اسپک مخمل زربفت کہ در کارخانۂ سرکارِ والا در احمدآباد کہ ہنروران و صنعت گرانِ گجرات انواع صنایع در آں بکار بردہ بودند و بہ یک لک روپیہ مہیّا گشتہ بود و سائباں ہائے مخمل زربفت و ستونہائے طلا و نقرہ بحضور ارسال داشتہ بودند دراں جشن نوروزے در پیش ایوان رفیع بنیانِ دولت خانۂ خاص برافراختہ شد و ہم دراں نوروز تخت طاؤسی کہ مبلغ یک کرور روپیہ کہ سی ہزار و سہ صد تومان عراقی برآمدہ بود جلوس فرمودند۔"

شاہجہاں کے عہدِ سلطنت میں دوسری بار بارگاہ مخملی زربفت کلابتو کی بناوٹ

---

[۱] مآثر الامرا مصنّفہ صمصام الدولہ نواب عبدالرزاق خاں خوافی وزیر دولتِ آصفیہ دکن

کی جس کا طول ۴۳ گز اور عرض ۳۲ گز کا تھا، پچاس ہزار روپیہ کی لاگت سے اسی کارخانہ سرکاری میں تیار ہوئی تھی، اور ۱۰۶۵ھ کے جشن میں استادہ کی گئی مرزا علی محمد مراۃ احمدی میں کہتا ہے۔

"دہم دریں سال در روزِ جشن قمری خاقانِ گیتی ستاں بارگاہ مخملی زر لبفت مغرق کلابتو باف لطول چہل وسہ ذرع وعرض سی و دو ذرع کہ در کارخانہ احمد آباد بمبلغ پنجاہ ہزار روپیہ مہیّا شدہ بود برافراختہ شد"

عالمگیر کے عہدِ دولت میں بھی یہ کارخانہ اچھی حالت میں رہا، اور سرکاری فرمائشوں کی تعمیل یہاں سے ہوتی رہی۔ کسی خاص فرمایش کا علم تو مجکو حاصل نہیں، مگر خود بدولت کی ایک تحریر مجھے ملی ہے جس کو پڑھ کر آپ اس بات کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ گجرات کے متعلق جو کہا گیا ہے وہ مورخین گجرات کی نری بالاخوانی نہیں ہے بلکہ عالمگیر جیسے دقیقہ رس اور نکتہ سنج فرماں روائے ہند نے گجرات کو "زیب و زینتِ ہندوستان" قرار دیا ہے اور اس کی بھی یہ رائے ہے کہ جو چیزیں وہاں تیار ہوتی ہیں وہ مضبوط، نہایت زرق برق اور بیش قیمت ہوتی ہیں اب آپ اُس خط کو ملاحظہ فرمائیے جو عالمگیر نے شاہزادہ محمد اعظم کو لکھا ہے، جو اس زمانہ میں گجرات کے گورنر تھے

"آن والا نسب گرامی حسب در فرمائشہا دتصرفہا سلیقۂ درستی دارند و در گجرات کہ زیب و زینت ہندوستان ست اہلِ کسب و اربابِ ہنر ہمہ جہت می باشند بالفعل کارخانہ سرکارِ معلّی کہ ازاں جا۔۔۔ می آید پر کار و بیش زر و بسیار زرق و برق

و درشت و گران ست اگرچہ کُلُّ شَیءٍ مَا خلاَ اللّٰہ نا طِل اما نظر بر کریمہ یعلمون

لہ ما لیشاء کردہ تا اجل مسمی کار بکاران باید کرد المضیب یصیب در کارخانہ

دار الخلافہ شاہجہاں آباد کمخواب و قطنہ خوب می شد الحال موقوف شدہ آن والا

گہر ہماں طور بفرمایند در آں جا خوب خواہد شد۔"

اس شہادت کے بعد اس کی ضرورت نہیں تھی کہ میں اور مثالیں پیش کرتا،

مگر جو پیش نظر ہیں اُن کو چھوڑنا بھی مناسب نہیں سمجھتا، اور اپنے احباب گجرات کی ضیافت

طبع کے لیے کچھ اور عرض کرتا ہوں۔

عالمگیر مرحوم کے بعد شاہ عالم تخت نشیں ہوا۔ اُس کے عہد سلطنت میں بھی چار

مخملی شامیانوں کی جو ستارہ دار خوش طرح اور سنگین ہوں فرمایش آئی تھی جن کی لاگت

پینسٹھ ہزار روپیہ تخمینہ کی گئی (مرآۃ احمدی ملاحظہ ہو)

"برائے سرانجام و ارسال چہار شامیانہ مخمل دوزی ستارہ دار خوش طرح سنگیں کہ

کہ بالائے تخت مبارک ایستادہ شود دسہ ابرہ ایک دیوانِ خاص کہ برآورد

آں شصت و پنج ہزار روپیہ شدہ بدیوان صوبہ احکام رسید۔"

راجہ جے سنگھ نے محمد شاہ کے عہدِ سلطنت میں جیپور آباد کیا۔ احمد آباد کا نمونہ پیش

نظر تھا۔ چوڑی چوڑی سڑکیں اور وسیع و کشادہ بازار تعمیر کیے، اور یہ چاہا کہ احمد آباد

کے صنّاعوں اور کاریگروں کو لا کر آباد کرے اور جو صنعتیں و حرفتیں احمد آباد کے ساتھ

مخصوص ہیں اُن کو جیپور میں رائج کرے۔ اِس غرض سے اُس نے احمد آباد کے کاریگروں

کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر جیپور بلا لیا۔ جب بھی اُس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اس قصہ کو مرآۃ احمدی میں تفصیل سے بیان کیا ہے

"وطرفہ ایں کہ انچہ در بلدہ احمد آباد نساجی وقصاری ودقاقی بارونق ست برخلاف امکنۂ دیگر بفاصلہ گروہے بعمل آرند بخوبی آں نیست۔ اجی سنگھ زمیندار آبنیر در عہد فردوس آرام گاہ مکانے رانو آباد ساختہ بہ جے نگر موسوم گردانید خواہش نمود کہ اجناس کہ در احمد آباد یافتہ می شود دراں جا مرتب شود شعربافان ونساجاں را بانعامات ومراعات زربخشی طلب داشتہ کارخانہا بنا نمودہ چوں دقاقی نمودن برنگ وقماش وزیبائی احمد آباد نشد دقاقان ظاہر نمودند کہ چوب درخت کھرنی کہ دراں جاست وآلات دقاقی ازاں می شود چوں دریں جا نیست شاید بنا براں صنائمی گیر دراجہ چند عرابہ آلات دقاقی از کوتک وتختہ از احمد آباد طلب داشت اما فائدہ مرتب نہ گشت۔"

میں سمجھتا ہوں کہ اب تک جو شہادتیں میں نے پیش کی ہیں وہ اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ شاہانِ گجرات کی ہمہ گیر طبیعت اور بے مثل فیاضی نے گجرات کو ہر قسم کی صنعتوں اور حرفتوں کا مرکز بنا دیا تھا۔ اور انھیں خصوصیتوں کے لحاظ سے ہندوستان کا کوئی حصہ اُس سے لگّا نہیں کھاتا تھا۔ امین رازی کا احمد آباد کی نسبت یہ کہنا کہ "بسبب لطافت وکیفیت آبادانی وشہرت برتمام ولایت ہند رجحان دارد" یا عالمگیر مرحوم کا گجرات کو "زیب وزینت ہندوستان" قرار دینا بڑی وقیع شہادتیں ہیں۔

اُن میں سے ایک وہ ہے جو اُس ایران کا باشندہ ہے جس کی عنانِ حکومت سلاطین صفویہ کے ہاتھوں میں تھی، اور اپنی تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اُس وقت ساری دنیا سے ممتاز سمجھا جاتا تھا، دوسرا وہ ہے جو ہندوستان کا سب سے بڑا فرماں روا ہے۔

بلخ و بدخشاں سے لے کر ایک جانب ساحل کارومنڈل تک اور دوسری جانب آسام تک تمام ملک اُس کے زیرِ نگیں ہے۔ اُس کے مقبوضات کے متعلق اُس سے بہتر کوئی شخص رائے قایم نہیں کرسکتا۔ مگر ع

یہ باتیں ہیں جب کی کہ قایم جو اں تھا

علوم و فنون کی قدردانی

جو حالات اب تک میں نے عرض کیے ہیں اُن سے آپ اس بات کا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں کہ جن روشن دماغ بادشاہوں کے ایسے کارنامے ہونگے، اُنھوں نے علوم و فنون کی اشاعت و ترویج کے واسطے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ میرا خیال تو یہی اور میں اس کو بلاخوف مخالفت کہہ سکتا ہوں کہ شاہانِ گجرات نے اپنی ڈیڑھ سو برس کے زمانہ فرمانروائی میں جس قدر علوم و فنون کی سرپرستی کی ہے، دہلی کی ششصد سالہ تاریخ اُس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ یہ صرف اُن کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ شیراز و یمن و دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ و برگزیدہ علمائے گجرات میں آکر بود و باش اختیار فرمائی، جن کے فیض سے چند دنوں میں گجرات مالامال ہوگیا اور خود گجرات میں اس پایہ کے علما پیدا ہوئے

جن کے فیوض علمی کی آبیاری سے اب تک ہندوستان کی درسگاہیں سیراب ہو رہی
ہیں۔ اگر آپ اس کا صحیح اندازہ کرنا چاہیں تو شیخ عبداللہ حضرمی کی النور السافر ابوبکر
شلی کی المشرع الروی محمد بن عمر آصفی کی ظفر الوالہ اور اگر میری ناچیز تصنیفات شائع
ہو گئی ہوتیں تو میں کہتا کہ العوارف جنۃ المشرق اور نزہۃ الخواطر ملاحظہ فرمائیے۔ اس
وقت آپ پر ایک حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوگا اور آپ سمجھینگے کہ گجرات اگر علوم

لہ ان تینوں کتابوں کا موضوع ہندوستان کی تاریخ ہے (۱) العوارف فی انواع العلوم والمعارف میں علوم وفنون کی
تاریخ بیان کی ہے اس طور پر کہ مثلاً فن حدیث کس زمانہ میں ہندوستان آیا اس کا نصاب تعلیم کیا تھا۔ اس فن میں علمائے
ہندوستان کی تصنیفات کیا کیا ہیں اور اس فن کے نامور علما ہندوستان میں کون کون تھے جنھوں نے اس کو ترقی
دی (۲) جنۃ المشرق ومطلع النور المشرق۔ یہ تین فن ہیں اوّل میں جغرافیہ ہندوستان کا بیان کیا ہے اور کئی طرح
سے اس کو بیان کیا ہے۔ اس کو پڑھ کر آپ ہندوستان قدیم وجدید کے صحیح حالات معلوم کر سکتے ہیں یہاں کی پیداوار
از قسم اجناس فواکہ وادویہ وغیرہ ایک ایک کرکے بتائے ہیں اور تمام تاریخی مقامات کا شہروں سے گذر کر دیہات
تک پتہ بتلا دیا گیا ہے اور جو تغیرات ان پر ہوئے ہیں ان کو تا بمقدور ظاہر کر دیا ہے۔ دوسرے فن میں آغاز ظہور
اسلام تا آخر ہندوستان کی اسلامی تاریخ بیان کی ہے یہ اگرچہ معمولی کام ہے مگر اس کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ
تصحیح روایات میں کتنا اہتمام کیا گیا ہے اور جو تاریخیں فارسی اور اردو میں اس وقت موجود ہیں اور ان میں جو حصے ناقص
تھے ان کو کس جد وجہد سے پورا کیا گیا ہے۔ تیسرا فن خطط و آثار وغیرہ میں ہے اور یہ تمام تر مصنف کی دماغ سوزی اور
غیر معمولی جد وجہد کا نتیجہ ہے اور بالکل نئی چیز ہے۔ اس میں مسلمان حکمرانان ہند کے اصول حکمرانی یعنی آئین معدلت انتظام
فوج طریقہ جنگ دربار داری تقریبات وغیرہ کو علیحدہ علیحدہ بتایا ہے اور پٹواری سے لے کر وزیر اعظم تک جس قدر
عہدے ملکی ومالی تھے سب کو بیان کیا ہے اور شاہان ہند نے رفاہ عام کی غرض سے جو عمارتیں بنائی ہیں مثلاً
انہار، مساجد، مدارس، شفاخانے وغیرہ ان سب کا ذکر کیا ہے (۳) نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر آٹھ جلدوں میں
ہے اس میں ہندوستان کے مشایخ، علما، شعرا، وزرا، اور مشاہیر ملک کے حالات جمع کیے ہیں سنہ ۱ھ سے اب تک جس قدر نامور
لوگوں کے حالات مل سکے ہیں وہ سب اس میں ہیں یہ تینوں کتابیں بیست سالہ محنت و دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں جو سنتا ہے
وہ پوچھتا ہے کہ چھپواتے کیوں نہیں میں اس کا کیا جواب دوں اس کو اس مضمون کے پڑھنے والے بتائیں۔

وفنون عقلیہ کے اعتبار سے شیراز تھا تو حدیث شریف کی خدمت کے لحاظ سے یمن میموں سے مماثلت رکھتا تھا۔

بعض علما نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی نسبت لکھدیا ہی "اول او در ہندوستان حدیث آورد و نشر کرد" اگر دہلی کے لحاظ سے یہ کہا جائے تو ایک حد تک صحیح ہی لیکن اگر گجرات کو بھی آپ ہندوستان کا ایک صوبہ تسلیم کرتے ہیں تو غلط اور قطعاً غلط ہی۔ شیخ عبدالحق کی جلالت قدر میں کچھ شبہ نہیں اُنھوں نے حدیث شریف کی بڑی خدمت کی ہی برسوں درس دیا، کتابوں کے ترجمے کیے۔ اور اس فنِ شریف کو جو کبریت احمر اور عنقای مغرب ہو رہا تھا، ہر کہ و مہ تک پہنچا دیا۔ لیکن اس واقعہ سے بھی انکار نہیں کہ حضرت شیخ ہنوز عالم وجود میں بھی نہ آئے تھے اُس وقت گجرات میں شیخ الاسلام زکریا، شمس الدین سخاوی اور علامہ ابن حجرؔ کے تلامذہ کی درس گاہیں کھلی ہوئی تھیں اور تشنگان حدیث اُن سے سیراب ہو رہے تھے۔

مدارسِ گجرات جس طرح سے اِس زمانہ میں مدارس کے واسطے جداگانہ عمارتوں کے بنانے اور ساز و سامان پر بے اندازہ روپیہ صرف کرنے کا دستور ہی، مسلمانوں کے عہد حکومت میں کبھی نہیں رہا۔ جس طرح سے اسلام کی پاک تعلیم ہم کو سادہ زندگی اختیار کرنے کی ہدایت کرتی ہی اور ہمارے مرنے اور جینے میں بھی سادگی ملحوظ رکھی ہی، اُسی طرح سے ہماری تعلیم بھی سادہ طریقہ سے ہوتی تھی ہمارے پیر و مرشد روحی فداہ نے خاکِ پاک مدینہ میں جو پہلی عمارت بنائی تھی، اور جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں وہ ہمارا پہلا مدرسہ تھا۔ اُس کے

بعد جتنی مسجدیں دنیا میں تیار ہوئیں، اُنھیں کو آپ مدارس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تعلیم کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ اُستاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اُس کے گرد و پیش شاگردوں کا حلقہ بن جاتا تھا۔ اساتذہ خالصاً للہ درس دیتے اور اُن کے شاگرد چٹائیوں پر سو کر اور دو دو چراغ کھا کر تحصیلِ علم کرتے تھے۔ بڑے بڑے شاہزادوں کو بھی اگر علم کا ذوق ہوتا تھا تو وہ بھی مسجدوں میں جا کر اور اساتذہ کے سامنے زانوے ادب تہ کر کے بیٹھتے تھے۔ یہی طریقہ چوتھی صدی ہجری تک علی العموم جاری رہا۔ اُس کے بعد سب سے پہلے نیشاپور میں مدرسہ کے لیے ایک شاندار عمارت بنائی گئی، اور اساتذہ کی تنخواہیں اور طلبہ کے وظائف مقرر ہوئے۔ اُس کے بعد بغداد میں نظامیہ اور مستنصریہ کی عمارتیں تیار ہوئیں اور دوسرے ملکوں میں اس کی تقلید کی گئی۔[۱]

ہندوستان میں بھی وہی اگلا طریقہ تعلیم و تعلّم کا جاری تھا۔ جو اربابِ خیر مسجدیں بنواتے تھے وہ اسی نیت سے بنواتے تھے۔ جونپور میں اٹالہ کی مسجد کو جا کر دیکھیے اور اُس کے گرد و پیش حجروں کو ملاحظہ کیجیے یہ ملک العلما شہاب الدین دولت آبادی کا عظیم الشان مدرسہ تھا۔[۲] لاہور میں وزیر خاں کی مسجد دیکھیے اُس کے گرد و پیش دوکانیں تھیں، اور بانی مسجد کا منشا یہ تھا کہ اس کی آمدنی سے دو عالموں کو تنخواہیں دی جائیں تاکہ وہ اطمینان و فراغت سے طلبہ کو درس دیں۔[۳] پرانی دہلی میں

---

[۱] مستنصریہ کی عمارت اب تک بغداد میں قایم تھی اور ترکوں کی ناقدردانی سے کسٹم خانہ کا کام دے رہی تھی۔ افسوس ہے کہ زمانہ حال کی خوں خوار جنگ نے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور خلفائے بغداد کی یہ سب سے پرانی علمی یادگار باقی نہیں رہی۔ (العرب)

[۲] تحقیقات چشتی [۳] تجلی نور مصنفہ سید احمد زیدی [۴] الخطط و الآثار للمقریزی

قلعۂ دین پناہ کے پھاٹک کے سامنے ماہم انگہ کی مسجد اور نئی دہلی پادشاہ جہاں آباد میں فتحپوری
مسجد ملاحظہ کیجیے اور ان دکانوں اور مکانوں کو دیکھیے جو اُن کے گرد و پیش بنوائے گئے ہیں
اس کا مقصد سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔

اسی اُصول کے موافق آپ گجرات کی بھی تمام مسجدوں کو جواب کھنڈر ہیں اور
اور خانقاہوں کو جواب مقبرے ہیں یہ سمجھیے کہ وہ کسی زمانہ میں عظیم الشان مدرسے تھے۔
بااین ہمہ اصطلاحی معنوں میں بھی گجرات میں مدارس تعمیر کیے
گئے تھے مگر افسوس ہے کہ تاریخوں سے اُن کا پتہ چلانا مشکل ہے۔ علوی شیرازی نے احمد آباد
کے ذکر میں لکھا ہے ؎

مدارس درو بے حد و خانقاہ ۔۔۔ برائے مسافر کہ آید ز راہ

مگر احمد شاہ بانی احمد آباد کے حالات آپ پڑھ جائیے بے حد تو کیا آپ کو ایک مدرسہ
کا سُراغ بھی نہ ملیگا۔ اسی طرح محمود شاہ اول کے حالات میں سکندر مرزا نے لکھا ہے

"حرامہائے عالیہ و رباطہائے متعالیہ از ہر طرفے انباہیں بنیاد نہادہ بود و مدارس
بہشت آئین و مساجد چوں خلد بریں انتہیٰ"

مگر مرآۃ سکندری کو شروع سے آخر تک پڑھ جائیے ایک مدرسہ کا ذکر بھی آپ نہ پائینگے
تاہم جن معدودے چند مدرسوں کا مجھے سُراغ ملا ہے اُنھیں کو پیش نظر کرنے پر اس وقت
قناعت کی جاتی ہے۔

گجرات کے چند مدارس | عثمان پور سابرمتی کے کنارے ایک گاؤں تھا جس کو شیخ

عثمان متوفی ۸۶۳ھ نے اپنے نام پر آباد کیا تھا بوجہ قرب و اتصال کے اس کو احمد آباد کا ایک محلہ سمجھنا چاہیئے۔ محمد شاہ کو شیخ عثمان سے حسن عقیدت تھی۔ شیخ نے عثمان پور میں مدرسہ قایم کرکے بادشاہ کی عقیدت کا صحیح مصرف تجویز کیا اس کے لیئے عمارت تیار کرائی اور شاہی کتب خانہ کی اکثر کتابیں جو محمد شاہ کی عقیدت مندی کی وجہ سے اُن کو حاصل ہو گئی تھیں طلبہ کو اور مدرسین کے مطالعہ کے واسطے وقف کردیں۔

خان سرور ایک تالاب کا نام ہے جو نہروالہ میں تھا اور بہت بڑا تفرج گاہ تھا اُس کے گرد و پیش عالی شان عمارتیں تھیں ایک مدرسہ بھی تھا۔ معلوم نہیں کہ اُس کو کس نے تعمیر کیا تھا۔ اس مدرسے کے اساتذہ میں سے ایک مولنا قاسم بن محمد گجراتی کا نام ملتا ہے جو قطب الدین احمد شاہ کے زمانہ میں تھے۔

نہروالہ میں شیخ حسام الدین ملتانی کے مزار کے متصل بھی ایک مدرسہ تھا جس میں مولانا تاج الدین اور اُن کے فرزند رشید محمد بن تاج درس دیتے تھے اور ان دونوں کا شمار اُس زمانہ کے ممتاز اساتذہ میں تھا۔

ایک بہت بڑا مدرسہ سرخیز میں تھا جہاں شیخ احمد کھتو گنج بخش کا مزار ہے۔ مزار کی عمارتیں محمد شاہ نے تعمیر کی تھیں غالباً مدرسہ کی عمارت بھی اُسی نے تیار کی ہو گی۔ محمود شاہ و مظفر شاہ کے زمانہ میں الفقیہ حسن العرب الداھولی اس مدرسہ کے اساتذہ میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

احمد آباد میں علّامہ وجیہ الدین کا مدرسہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس مدرسہ میں طلبہ کو

وظایف بھی ملتے تھے۔ تقریباً پینسٹھ سال تک علّامہ ممدوح نے اِس میں تعلیم دی اور مرنے کے بعد اُسی میں مدفون ہوئے اور اُن کے فرزند مولانا عبداللہ اُن کے جانشیں ہوئے۔ صادق خاں نام ایک امیر نے مدرسہ کی عمارت ازسرِنو تیار کی جس میں طلبہ کے رہنے کے واسطے مکانات بنوائے اور وظائف کا معقول انتظام کیا۔

سیف خاں کا مدرسہ بھی احمد آباد میں تھا، جس کو نواب سیف خاں نے قلعۂ احمد آباد کے سامنے سنہ ۳۲ھ میں بنوایا تھا یہ عمارت کے لحاظ سے بہت عالی شان مدرسہ تھا۔

احمد آباد میں ایک اور عالی شان مدرسہ تھا جس کو نواب اکرام الدین خاں گجرات نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ کے صرف سے تعمیر کیا تھا۔ تعمیر کا آغاز سنہ ۱۱۰۲ھ اور انجام سنہ ۱۱ھ میں ہوا اس میں دکانوں کی علاوہ موضع بھٹہ اور موضع اماس وظائف طلبہ کے لئے وقف تھے، اور زرِ خطیر یومیہ لنگر کے واسطے مقرر تھا۔ اس مدرسے کے نامور مدرّس علّامہ نورالدین گجراتی تھے[1]۔

سورۃ میں سیّد محمّد بن عبداللہ العیدروس کے مزار کے پاس حاجی زاہد بیگ نے بزمانۂ تولیت شیخ جعفر صادق سنہ ۱۱۸ھ میں ایک مدرسہ تعمیر کیا تھا جس میں زمانہ دراز تک علوم و فنون کی تدریس ہوتی رہی[2]۔

سورت میں مرجان شامی کی مسجد ہمیشہ مدرسہ کام دیتی رہی ہے نواب ظفریاب خاں نے اپنے زمانہ میں مدرسے کے واسطے ایک خاص عمارت تیار کی جس کی تکمیل حاجی میاں

---

[1] مرآۃ احمدی [2] حقیقۃ السورۃ۔

نواب ممدوح کے پوتے کے وقت میں ہوئی[1]

محدّثینِ کرام کی تشریف آوری

مولٰنا نور الدین احمد شیرازی ایک زبردست عالم غالباً احمد شاہ اوّل کے عہد میں گجرات تشریف لائے تھے جو علوم حکمیہ میں میر سید شریف کے شاگرد تھے۔ صحیح بخاری کی سند اُن کی باعتبار قلّت وسائط کے اتنی عالی تھی کہ جب وہ سند حجاز و یمن پہونچی ہے تو وہاں کے بڑے بڑے محدّثین نے اُس کو شوق و رغبت سے حاصل کیا۔ اور ہمیشہ اس پر فخر کرتے رہے[2]

علّامہ وجیہ الدین محمد بن محمد المالکی المحدّث، علّامہ شمس الدین سخاوی کے شاگرد رشید تھے۔ شاہانِ گجرات نے ان کو ملک المحدّثین کا خطاب دیا تھا۔ ساری عمر گجرات میں رہے اور ۹۲۹ھ میں وفات پائی۔

جمال الدین محمد بن عمر حضرمی مشہور بجرق شاگردِ رشید علّامہ سخاوی مظفر شاہ حلیم کے اُستاد تھے۔ ۹۳۰ھ میں وفات پائی۔ احمد آباد میں ان کا مزار ہے۔

شیخ عبد المعطی بن الحسن باکثیر المکی کو شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے حدیث کی سند حاصل تھی ۹۸۳ھ میں وفات پائی۔

شہاب الدین احمد العباسی المصری شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے شاگرد تھے اور صاحبِ تصنیفات تھے شاہانِ گجرات کے نام پر کئی کتابیں تصنیف کی تھیں ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔

---

[1] حقیقۃ السورۃ [2] قطف الثمر حصر الشارد الیانع الجنی

شیخ محمد بن عبد اللہ الفاکہی الحنبلی شیخ ابو الحسن بکری اور علامہ ابن حجر مکی کے شاگرد تھے سنہ ۹۹۲ھ میں وفات ہوئی۔

سید شیخ بن عبد اللہ العیدروس علامہ ابن حجر مکی اور حافظ عبد الرحمن بن دیبع الشیبانی کے شاگرد تھے سنہ ۹۹۰ھ میں وفات ہوئی۔

شیخ سعید شافعی حبشی شاگرد ابن حجر مکی متوفی سنہ ۹۹۱ھ جمال الدین محمد بن عبد الرحیم عمودی متوفی سنہ ۹۸۴ھ جمال الدین محمد علی بن الحضرمی متوفی سنہ ۱۰۰۰ھ وجیہ الدین محمد بن محمد السعد الایجی ۔[1]

یہ چند اسماء گرامی ان محدثین کے ہیں جنھوں نے گجرات میں رہ کر اپنی عمر عزیز اس فن شریف کی خدمت میں بسر کردی۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو تشریف لائے اور برسوں رہے، لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا پھر واپس تشریف لے گئے انھیں بزرگوں میں سرمایۂ نازش ہندوستان حضرت شیخ علی متقی تھے جو گجرات میں بود و باش اختیار کرنے کے بعد ہجرت کر گئے تھے۔ دو تین بار ہندوستان تشریف لا کر احمد آباد میں رہے اور اپنے انفاس متبرکہ سے لوگوں کو عرصہ تک مستفید ہونے کا موقع دیا۔[2]

انھیں بزرگوں میں سید عبد الاول حسینی شارح صحیح بخاری کی ذات گرامی ہے جو آخر عمر میں بیرم خاں کے اصرار سے دہلی چلے آئے تھے اور وہیں رحلت فرمائی یہ برسوں گجرات میں رہے شیخ طیب سندی نے زمانہ قیام گجرات میں ان سے حدیث

[1] مذکورہ بالا اسماء گرامی النور السافر وغیرہ سے لیے گئے ہیں [2] ظفر الوالہ

پڑھی تھی جو تقریباً پچاس برس تک ایلچ پور و برہان پور میں اس فنِ شریف کی خدمت کرتے رہے ہیں۔

شیخ عبد اللہ بن سعد الدین متقی اور شیخ رحمۃ اللہ بن عبد اللہ سندی دونوں کا شمار محدثینِ کبار میں تھا اور دونوں مہاجر تھے کشش آب ودانہ سے پھر ہندوستان تشریف لائے اور برسوں احمد آباد میں رہ کر حدیث کی خدمت کرتے رہے اسی زمانہ میں شیخ بہلول دہلوی نے گجرات پہونچکر ان دونوں بزرگوں سے حدیث پڑھی تھی اور دہلی واپس جا کر مدۃ العمر اسی فنِ شریف کی خدمت کرتے رہے[1]

ماہرینِ فنونِ ادبیہ علوم ادبیہ کے امام علّامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر الدمامینی کا نام آپ نے سنا ہوگا وہ ۸۲۰ھ میں گجرات تشریف لائے اور برسوں احمد آباد میں درس و تدریس فرماتے رہے تسہیل ابن مالک کا نسخہ احمد آباد ہی میں اُن کو ملا تھا جس کی ایک مبسوط شرح لکھ کر سلطان احمد شاہ گجراتی کے نام پر معنون کی علاوہ اس کے شرح مغنی اللبیب شرح صحیح بخاری اور عین الحیوۃ خلاصہ حیوۃ الحیوان یہ تینوں کتابیں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھیں[2]

جمال الدین محمد بن عبد اللطیف الجامی جو مخدوم زادہ کے لقب سے مشہور اور فنونِ ادبیہ میں یکتائے روزگار تھے شاہانِ گجرات کے میر منشی کی خدمات ان کے متعلق تھیں النور السافر میں ان کے عربی قصائد کے کچھ کچھ حصے منقول ہیں جو دیکھنے کے قابل ہیں

[1] اخبار الاخیار [2] کشف الظنون

شیخ احمد بن عبد المعطی با کثیر محدّث بھی تھے اور ادیب بھی۔ انکے لطائف ادبیہ اور قصائد بلیغہ ڈھونڈھنے سے بھی اب نہیں مل سکتے۔ النور السافر میں ضمناً ان کا ذکر آگیا ہی اُسی کے پڑھنے سے روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہی۔

ثقۃ الدولہ مولانا عبد الصمد دبیر محمود شاہ دوم کے زمانہ میں میر منشی تھے، اور بادشاہ کو اُن کے فضل و کمال تدین و راستبازی کی وجہ سے اِن سے کمال عقیدت تھی۔

مولانا عبد اللہ محمد بن عمر آصفی کو پہلے آصف خاں وزیر کی سرکار سے تعلق تھا۔ اُس کے بعد الغ خاں کے میر منشی ہو گئے اِن کی کتاب ظفر الوالہ موجود ہی اُس کے پڑھنے سے ان کی قدر و منزلت معلوم ہو سکتی ہی۔

مولانا ابوبکر بن محسن باعبود علوی سورت میں رہتے تھے مقامات ہندی اُن کی دہلی میں چھپ گئی ہی اُس کو پڑھ کر آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ کتنے زبردست انشا پرداز تھے۔

علمائے منطق و حکمت

علّامہ نور الدین شیرازی شاگرد میر سیّد شریف علّامہ ابو الفضل گازرونی علّامہ ابو الفضل استر آبادی علّامہ عماد الدین طارمی تینوں محقق دوانی کے شاگرد تھے۔ علّامہ حسین بغدادی شاگرد میر غیاث الدین منصور علّامہ ہبۃ اللہ شیرازی شاگرد میر باقر داماد صدر الدین شیرازی صاحب اسفار اربعہ کے ہم سبق تھے۔

فقہائے کرام

شیخ حسین بن عمر الوعینی شارح ہدایہ قاضی عماد الدین ظہیر الشرع قاضی بڑودہ، قاضی القضاۃ محمد اکرم قاضی نہروالہ قاضی القضاۃ جمال الدین قاضی نہروالہ

مُفتی رُکن الدین ناگوری صاحب فتاوی حمادیہ مُفتی داؤد مُفتی نہروالہ قاضی اسمٰعیل اصفہانی
قاضی احمدآباد قاضی جگن صاحب خزانۃ الروایات قاضی برہان الدین بہروانی
الفصتہ حسن العرب۔

میں نے چند حضرات کے اسمائے گرامی پیش کردینے پر اکتفا کی ہے جو شاہان گجرات
کی فیاضانہ کشش سے گجرات تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان حضرات کے فضل
وکمال کی داستانیں بیان کرنا اِس مختصر مضمون میں دشوار ہے۔

گجرات کے وزراء باکمال

ایک سو چوراسی سال میں تیرہ یا چودہ بادشاہ اس سلسلہ میں گزرے ہیں اور
بجز ایک کے علمی حیثیت سے سب معمولی قابلیت رکھتے تھے۔ مگر اُن کو خدا نے مردم شناسی
اور قدر دانی کا ایسا عمدہ ملکہ دیا تھا کہ اُن کا دربار ہر علم وفن کے ارباب کمال سے بھرا
رہتا تھا۔ وزارت ووکالت کے عہدوں پر ایسے لوگ آپ کو نظر آئینگے جو علم وفضل تدبیر
وسیاست میں بے نظیر قابلیت رکھتے تھے اور اسی وجہ سے گجرات زمانہ سابق میں علوم
وفنون کا مرجع ومقصد بنا ہوا تھا اور اتنی تھوڑی سی مدت میں ایسے ماہرین فنؐ یہاں سے
نکلے جن کی نظیر نہیں مل سکتی۔

خداوندخاں طبقہ وزرا میں آپ خداوندخاں کو پائینگے، ان کا نام مجدالدین محمد بن
محمد الایجی تھا محمود شاہ اوّل کے زمانہ میں یہ گجرات آئے اور اپنے علم وفضل کی وجہ

سے روشناس ہوئے۔ اوّل رشید الملک خطاب پایا مظفر شاہ حلیم نے اِن کو خداوندخاں خطاب دے کر قلمدان وزارت عنایت کیا۔ چون برس تک وزیر رہے بہادر شاہ کے زمانہ میں وزارت سے بھی ترقی کی وکالتِ مطلقہ جس سے بڑا کوئی عہدہ نہ تھا عطا ہوا پندرہ برس تک اس عہدہ پر سرفراز رہے۔ حدیث و رجال میں ان کو ایسی دستگاہ تھی کہ بڑے بڑے علما ان کی معلومات سے مستفید ہونے کو اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔ ہمایوں بادشاہ نے گجرات پر دسترس حاصل کرنے کے بعد ان سے حدیث کی سند لی اور اپنے ہمراہ آگرہ لایا۔ عرصہ تک آگرہ میں رہے۔ شیر شاہ نے جب قابو پایا تو ان کے اصرارِ بلیغ پر اجازت دی کہ یہ گجرات واپس جائیں یہاں پہنچ کر محمود شاہ دوم کے زمانہ میں رحلت فرمائی۔

اختیار خاں اختیار خاں کا نام جو کچھ بھی ہو یہ خان جیو کے لقب سے مشہور تھے۔ قصبہ نریاد کے قاضی زادہ تھے۔ علوم و فنون کی تحصیل کے بعد ملکی خدمتوں کی جانب رغبت کی اور درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے وزارت کے مرتبہ تک پہونچے، اور تیرہ برس بہادر شاہ کے وزیر رہے۔ محمود شاہ دوم نے وکالتِ مطلقہ کے عہدہ پر ترقی دی۔ ان کی نسبت ایک مورّخ لکھتا ہے:۔

"وکان فی الذکاء والفطنۃ والفراسۃ ثانیاً لایاس بن قرۃ واما العلوم الحکمیۃ والمعارف الیقینیۃ فلا تسئل عن ذلک وکان منقطع القرین مجمع ریاسۃ الدنیا والدین"۔

ہمایوں بادشاہ نے گجرات پر قبضہ پانے کے بعد ان کے فضل و کمال کو دیکھ کر اپنے قرب و حضوری سے اُن کو سرفراز کیا اور جب تک گجرات میں رہا معاملاتِ ملکی اِنھیں کی رائے سے انجام دیتا رہا۔ ۹۴۲ھ میں یہ شہید ہوئے۔

افضل خاں اِن کا نام عبد الصمد بن محمود لبنانی ہے خاندان عبّاسیہ کے چشم و چراغ تھے، اور علم و فضل و فراستہ و تدبیر میں اپنے زمانہ کے ممتاز لوگوں میں سمجھے جاتے تھے درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے وزارت تک پہونچے اور محمود شاہ دوم کے زمانہ میں وکالت مطلقہ کے منصب پر فائز ہوئے ان کا خاندان گجرات میں علم و فضل کی وجہ سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ ان کے چچا برہان الملک نور الدین محمد عباسی بھی وزیر تھے ۹۶۱ھ میں افضل خاں شہید ہوئے۔

صدر خاں یہ بھی امیرزادہ تھے۔ فضل و کمال حاصل کرنے کے بعد دربار شاہی میں پہونچے، جو خدمت متعلق ہوئی اُس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا اور درجہ بدرجہ ترقی کرتے رہے۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں قلمدان وزارت پایا، اور اس خدمت کو ایسی خوبی سے انجام دیا کہ بہادر شاہ کے معتمد علیہ ہوگئے۔ جب بہادر شاہ کو مانڈو میں ہمایوں بادشاہ سے شکست ہوئی تو یہ گرفتار ہوگئے، ہمایوں کو ان کے فضل و کمال کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اُن کو اپنے مقربین میں داخل کرلیا عرصہ تک اُس کے ساتھ رہے۔

نوٹ صفحہ (۴۴) لہ (ترجمہ) ذکاوت فطانت اور فراست میں ایاس بن قرہ کا ثانی تھا، فاصکر علوم حکمیہ و معارف یقینیہ میں اس کا جو رتبہ تھا، اُس کے متعلق تو تم سوال ہی نکرو وہ ایک عدیم المثال شخص اور دینی و دنیوی ریاست کا جامع تھا۔

آصفی نے ظفر الوالہ میں لکھا ہے:-

"وَعِنَایَتُہٗ بِہٖ کَانَتْ زِیَادَۃً عَلٰی مَا یُتَصَوَّرُ"

۹۴۲ھ میں شہید ہوئے۔

خداوند خاں ان کا نام عبدالحلیم تھا حمید الملک کے بیٹے تھے۔ علوم وفنون کی باقاعدہ تعلیم پائی تھی ابوالفضل گازرونی وغیرہ کے شاگرد تھے اور آصف خاں کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۹۵۴ھ میں بجائے افضل خاں کے وزارت پر فائز ہوئے اور خداوند خاں خطاب ملا سات برس تک کامیابی کے ساتھ وزارت کا کام کرتے رہے محمود شاہ دوم کو ان پر اعتماد کلی تھا ۹۶۱ھ میں شاہ و وزیر دونوں نے شہادت پائی۔

آصف خاں عبدالعزیز نام تھا حمید الملک کے بڑے بیٹے تھے کچھ کتابیں اپنے والد سے پڑھیں حدیث وفقہ قاضی برہان الدین نہر والے سے حاصل کی علومِ حکمیہ میں ابوالفضل گازرونی اور ابوالفضل استرآبادی کے شاگرد تھے۔ علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت ہوئی تو دربارِ شاہی میں پہونچے۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں وزارت ملی محمود شاہ کے زمانہ میں وکالتِ مطلقہ کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ باوجود ان مناصبِ جلیلہ کے درس وتدریس ومذاکرۂ علمی کا مشغلہ آخر وقت تک قایم رہا۔ علّامہ ابن حجر مکی نے ایک رسالہ ان کے حالات میں لکھا ہے اس میں ان کے فضل وکمال تقویٰ وتقدس کی بڑی مدح سرائی کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آصف خاں مکہ معظمہ میں آ کر رہے تھے، تو عجب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ علما وفقہا ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے اور گھر گھر

علم کا چرچا ہو گیا تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"حتّٰی نفق العلم فی زمنه بمکة نفاقاً عظیماً واجتهد اهله فیه اجتهاداً بالغاً وتاب الطلبة وعکفوا عکوفاً باهراً علیه وبحثوا عدة الدقائق لینفقوها فی حضرته وتحفظوا الاشکالات لتیقن لوبها الی الخواطر کل ذلک لاسباغه علی المنتمین الی العلم بای وجه کانوا من صوافی الاحسان وواسع الامتنان مالم یسمع بمثله من اهل زمنه ومن قبله بمدد عدیدة۔[1]

علّامہ عز الدین عبد العزیز مکی نے ان کی مدح میں چھیاسی شعر کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند ابیات یہ ہیں:۔

هُوَ الجواد الذی سارت مکارمهٗ ۔۔۔ شرقاً وغرباً وصارت فیه امثالا

اعنی آصفخان عز الدین سیدنا ۔۔۔ اعزه الله عز اللعلی خلدا

وکُلُّ من باسمه المیمون طائره ۔۔۔ لیمر علی کل سام قد سما وعلا

وَاِنَّ لِیْ ذِمَّةً مِنْهُ بتسمیتی ۔۔۔ عبد العزیز رعی حقی وکلا

---

[1] (ترجمہ) آصف خاں کے زمانہ میں مکہ معظمہ میں علم کا چرچا زیادہ ہو گیا تھا اور مکہ والوں نے تحصیل علم میں پوری کوشش کی تھی طلبہ ہر طرف سے سمٹ آئے تھے، اور انھوں نے حصول علم پر مستقل توجہ کی اور دقائق علمی کی اس غرض سے جستجو و تلاش کی کہ آصف خاں کے سامنے ان کو پیش کریں اور رسوخ پیدا کریں اور مشکلات فن کو محفوظ کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے اس کا تقرب حاصل کریں یہ سب اس وجہ سے تھا کہ اس نے اہل علم پر اپنے احسان و کرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ جس کی نظیر اس کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے مفقود تھی

[2] ترجمہ۔ وہ صاحب جود و کرم ہی جس کے مکارم کی خبر مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور ضرب المثل ہو گئی [3] میری مراد اپنے سردار عز الدین آصف خاں ہی کی

دَعْوَةٌ بِالْمُسْنَدِ الْعَالِیْ وَکَمْ خَیْر　　فِی الْجُوْدِ بِالسَّنَدِ الْعَالِیْ بِهٖ وَصَلَا

علّامہ مذکور نے آصف خاں کی وفات کے بعد اُن کا مرثیہ بھی لکھا ہے جس کو پڑھ کر دل بے اختیار ہو جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ دردمند دل کے جذباتِ صحیحہ کا نتیجہ ہے دو تین شعر اس کے بھی ملاحظہ ہوں:

اَیُّ الْقُلُوْبِ لِهٰذَا الْحَادِثِ الْجَلَلِ[1]　　اَطْوَادُهُ الشُّمُّ لَمْ تُنْسَفْ وَلَمْ تَزُلِ

وَاَیُّ نَازِلَةٍ فِی الْهِنْدِ قَدْ نَزَلَتْ[2]　　بِلَفْحِهَا کُلُّ حَبْرٍ فِی الْحِجَازِ صَلِی

اَعْظِمْ بِنَازِلَةٍ فِی الْکَوْنِ طَارَ بِهَا[3]　　بَرًّا وَبَحْرًا مَسِیْرُ السُّفْنِ وَالْاِبِلِ

آصف خاں سنہ ۹۶۱ھ میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

میں نے چند وزرا کے حالات مشتے نمونہ از خروارے کے طریق پر عرض کر دیے سب کے حالات نہ ملتے ہیں نہ یہ مختصر مضمون اس کا متحمل ہو سکتا ہے۔ لہذا چند ناموں پر میں اکتفا کرتا ہوں۔ خداوند خاں علیم داماد محمد شاہ خرم خاں صدر خاں (عبد اللطیف) اشجع الملک، برہان الملک، حمید الملک، منصف الملک وغیرہ۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس ملک کے بادشاہ قدر دان اور اُمرا اصحاب کمال ہوں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷) خدا اُس کو بلند رتبہ اور اُس کے دشمنوں کو ذلیل و خوار رکھے [4] جو شخص خوش نصیبی سے اسکی ہمنامی کا شرف رکھتا ہے وہ ہر بلند رتبہ و عالی منزلت شخص سے زیادہ معزز ہے [5] بوجہ میرے نام (عبد العزیز) کے اسکے اور میرے درمیان عہد و پیمان ہے جسکی وجہ سے اُس نے میرے حقوق کی حفاظت کی ہے [6] لوگوں نے اُس کو مسند عالی کہکر مخاطب کیا اور کتنے صاحب جود ہیں جو بوجہ مسند عالی کے اسکے ساتھ پیوستہ ہو گئے ہیں۔

[1] کونسا دل ہے جو اس عظیم الشان حادثہ سے پارہ پارہ نہ ہوا اور اپنی جگہ سے ہل نہ گیا ہو۔ [2] وہ کونسی خوفناک مصیبت ہے جو ہندوستان پر نازل ہوئی جس کی لپیٹ سے تمام فضلا حجاز جل رہے ہیں [3] اور عالم میں وہ کونسی مصیبت نازل ہوئی ہے جس کی خبر کو بحر و بر میں کشتیوں اور اونٹوں نے پھیلا دیا ہے

اُس ملک میں علوم و فنون کی اشاعت و ترویج کا کیا کچھ انتظام نہوتا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ گجرات میں گھر گھر علم کا چرچا تھا، اور ایسے باکمال علما وہاں سے نکلے جن کی نظیر دوسری جگہ بمشکل مل سکتی ہے۔

مشایخ گجرات کے انفاسِ قدسیہ

یہ مسلّم ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت صرف بزرگانِ دین کے قدوم میمنت لزوم سے ہوئی ہے، جو وقتاً فوقتاً تشریف لاتے اور اپنے انفاسِ قدسیہ سے لوگوں کے دلوں سے کفر و جہالت کے زنگ کو مٹاتے رہے۔ ہندوستان کے جس گوشہ میں آپ کا گزر ہوگا اِن بزرگوں کے نقشِ قدم آپ کو ملینگے اُن کے کارنامے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو چکے ہیں اور ہم نے اپنی شامتِ اعمال سے اُن کی سچّی تاریخ کو زنگ آمیزیوں سے خراب کر کے اُس کی صورت بدل دی ہے، مگر اب بھی اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ صرف اُنھیں کے توکّل، استغنا، ایثار، اتقا اور خلوص نیت کا یہ نتیجہ ہے کہ آج باشندگان ہندوستان کا پانچواں حصّہ (جو کسی وقت شرک و جہالت میں مبتلا تھا) اُس وحدہ لاشریک لہ کے سامنے سرِ نیاز خم کرتا ہے۔

گجرات بھی ان نفوسِ قدسیہ کی نظر توجہ سے محروم نہیں رہا۔ ہر زمانہ میں پیرانِ طریقت تشریف لاتے اور نورِ ھدایت سے باشندگان کے دلوں کو منوّر فرماتے رہے۔

مشایخِ چشتیہ	اِنہیں بزرگوں میں شیخ حسام الدین عثمان بن داؤد الملتانی متوفی سنہ ۷۳۶ھ

کی ذات گرامی ہی جو سلطان المشایخ نظام الدین محمد البدایونی کے خلفاء کبار میں تھے محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں دہلی سے گجرات تشریف لائے اور نہروالہ میں قیام فرمایا جہاں اب اُن کا مزار ہی۔

علّامہ کمال الدین دہلوی متوفی ۷۵۶ھ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ اور بھانجے تھے۔ یہ بھی گجرات تشریف لائے اور اُن کی اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ ایسے حضرات پیدا ہوتے رہے جنھوں نے بارھویں صدی تک اس سلسلہ کو قایم رکھا اور ہمیشہ اہلِ گجرات کو اپنے فیوض و برکات سے فائدہ پہونچایا سچ تو یہ ہی کہ اُن کے برکات گجرات تک محدود نہیں رہے بلکہ جس زمانہ میں ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ تقریباً معدوم ہو چکا تھا شیخ کلیم اللہ جہان آبادی نے جو اِسی خاندان کے ایک بزرگ شیخ یحییٰ بن محمود گجراتی متوفی ۱۱۰۱ھ سے اس سلسلہ کی روحانی برکتوں کو حاصل کرکے دہلی واپس آئے اور پھر ہندوستان میں چشمہ فیض جاری ہو گیا۔ مولانا فخر الدین دہلوی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھے۔

شیخ یعقوب بن مولنا خواجگی متوفی ۸۹۰ھ شیخ زین الدین دولت آبادی کے خلیفہ اور اپنے زمانہ کے ممتاز مشایخ میں سے تھے۔ فصوص الحکم کے درس دینے میں اُن کو کمال حاصل تھا۔ نہروالہ میں اُن کی خانقاہ تھی جو گمراہان بادیۂ ضلالت کو چراغِ ہدایت کا کام دیتی تھی شیخ برہان الدین عبد اللہ البخاری نے بھی اُن سے استفادہ کیا ہی۔

شیخ رکن الدین مودود متوفی ۸۴۲ھ حضرت شیخ فرید الدین مسعود کی اولاد میں تھے مگر سلسلہ چشتیہ شیخ محمد بن احمد مودودی سے حاصل کیا تھا جن کو ابّاً عن جدٍ یہ سلسلہ ملا تھا

ہندوستان میں یہی ایک طریقہ ہے جو بغیر واسطہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری کے پہونچا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ عزیز اللہ متوکل، شیخ رحمت اللہ، شیخ بہاء الدین، شیخ علی متقی وغیرہ بڑے جلیل القدر مشایخ ہوئے ہیں جو دکن اور گجرات میں صدیوں تک لوگوں کو فائدہ پہونچاتے رہے ہیں۔

شیخ کبیر الدین ناگوری متوفی ۸۵۸ھ سلطان التارکین شیخ حمید الدین سوالی کے پوتے تھے۔ ابًا عن جدٍ اس سلسلہ کو حاصل کیا تھا۔ جس زمانہ میں راجپوتوں نے اجمیر و ناگور وغیرہ میں تسلط حاصل کر کے شعائرِ اسلام کے مٹا دینے پر ہمت مصروف کی یہ اپنے وطنِ مالوف سے ہجرت کر کے احمد آباد آ رہے۔ چند روز تک گوشہ گم نامی میں زندگی بسر کی۔ مگر مشک آن ست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔ لوگوں کو خبر ہوئی اور اُن کا آستانہ قبلہ حاجات بن گیا۔ یہ بہت بڑے مصنف بھی تھے۔ مصباح النحو کی مبسوط شرح لکھی ہے۔

سید کمال الدین قزوینی متوفی ۸۱۰ھ بھروچ میں رہتے تھے اُن کو حضرت سید محمد گیسو دراز سے نسبت تھی۔ اور اُن کی خانقاہ ہمیشہ طالبانِ خدا سے بھری رہتی تھی۔

اِن کے علاوہ اور بھی مشایخِ چشتیہ گجرات تشریف لائے اور اُن سے اہلِ گجرات مستفید ہوئے۔ بخوفِ طوالت اُن کا ذکر میں چھوڑتا ہوں۔

مشایخ سہروردیہ

سلسلۂ سہروردیہ کے مشایخ میں غالبًا سب سے پہلے سید شرف الدین مشہدی نے گجرات کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا اور بھروچ میں بود و باش اختیار کی یہ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسین بخاری کے داماد و خلیفہ تھے

سنہ ۸۰۰ھ میں ان کی وفات ہو۔

سیّد یحییٰ بن علی ترمذی بھی مخدوم کے تربیت یافتہ تھے اُنھوں نے بڑودہ میں قیام فرمایا تھا اور وہیں اُن کا مزار ہے اور وہ مقام تکیہ ماتریدیہ کے نام سے مشہور ہے اُنھوں نے سنہ ۸۵۰ھ میں دُنیا کے مخمصوں سے نجات پائی۔

قاضی علم الدین شاطبی سید صدر الدین راجو قتال کے خلیفہ تھے یہ علاوہ دیگر کمالات کے قرأۃ و تجوید میں امام فن کی حیثیت رکھتے تھے۔ نہروالہ میں ان کا قیام تھا سنہ ۸۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

سیّد برہان الدین عبداللہ بن محمود البخاری مخدوم جہانیاں کے پوتے تھے بارہ برس (۱۲) کے سن میں گجرات تشریف لائے تکمیل عُلوم کے بعد اپنے بڑے بھائی سید حامد بن محمود اور اپنے والد کے عم بزرگوار سید صدر الدین راجو قتال سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ شیخ احمد کھتو مغربی کی خدمت سے مستفید ہوئے ساور اُس زمانہ میں جس قدر مشایخِ چشتیہ و قادریہ و نقشبندیہ بقیدِ حیات تھے ہر ایک سے فائدہ اُٹھایا۔ ان گوناگوں نعمتوں سے مالامال ہونے کے بعد فیض رسانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ شاہانِ گجرات ان کی خاکِ قدم کو کحل الجواہر سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے سنہ ۸۵۷ھ میں وفات پائی۔

شیخ محمد بن عبد الصمد البخاری اُن کے خلف الرشید تھے اور اُن کے رشد و ہدایت کا سلسلہ مدّت دراز تک قایم رہا۔ اِسی خاندان میں سید محمد زاہد، سید جلال، سید محمد، سید جلال ثانی، سید جعفر، سید علی وغیرہ گزرے ہیں ان بزرگوں کا سلسلہ تمام گجرات میں پھیلا ہوا تھا۔

شیخ عثمان، شیخ علی خطیب، شیخ عبد اللطیف، قاضی محمود، قاضی حماد، مولانا مخدوم شیخ شرف الدین شہباز، مولانا تاج الدین اور بہت سے مشایخ گجرات اسی خرمنِ کمال کے خوشہ چین تھے۔

سلسلۂ مغربیہ سلسلہ مغربیہ کے نامور سرحلقہ شیخ احمد کھتو ہیں شہاب الدین لقب تھا اور اہلِ گجرات اُن کو گنج بخش کے لقب سے یاد کرتے ہیں یہ دہلی کے گنج باد آور تھے بچپنے میں ایک بار زور کی آندھی آئی اور اُن کو اُڑا لے گئی حُسنِ اتفاق سے شیخ اسحٰق مغربی کے ہاتھ آئے، وہ اُن کو کھتو لے آئے جو ناگور کے قریب ایک گاؤں تھا اور شیخ اسحٰق کا زیادہ تر وہیں قیام رہتا تھا۔ اُنھوں نے دل کھول کر اُن کی تعلیم و تربیت کی، مدتوں اُن کے ساتھ رہے، اُن کے انتقال کے بعد سیاحت اختیار کی سفرِ حج سے واپس ہوتے ہی مظفر شاہ اوّل کے اصرار سے گجرات میں ٹھہر گئے۔ احمد شاہ اور اُس کے بیٹے محمد شاہ دونوں کو اُن سے حُسنِ عقیدت تھی۔ احمد آباد کا سنگ بنیاد انھیں کے دستِ مبارک سے رکھوایا گیا تھا پیر و مُرید دونوں کا نام احمد تھا اس واسطے اس شہر کا نام احمد آباد رکھا گیا۔ ۸۴۹ھ میں وفات پائی اور سرخیز میں مدفون ہوئے۔ محمد شاہ نے ان کے مزار پر بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں سید محمود ایرجی اور شیخ صلاح الدین انھیں کے تربیت یافتہ تھے۔ سید عبد اللہ بن محمود بخاری اور سید محمد بن عبد اللہ نے بھی ان سے فیضِ صحبت حاصل کیا ہے۔

سلسلۂ عیدروسیہ طریقۂ عیدروسیہ کا نشوونما حضرموت میں ہوا وہاں سے گجرات پہنچا اور صرف گجرات و دکن تک محدود رہا سب سے اوّل سید شیخ بن عبد اللہ حضرمی گجرات

تشریف لائے اور احمد آباد میں قیام پذیر ہوئے ۹۹۰ھ میں ان کا وصال ہوا

چند روز کے بعد اُن کے خلف ارشد سید احمد بن شیخ تشریف لائے اور بھروچ

میں مقیم ہوئے اُن کی وفات ۱۰۲۴ھ میں ہوئی اور بھروچ میں مزار ہے۔

سید محمد بن عبداللہ حضرمی سید شیخ کے پوتے تھے اپنے دادا کی زندگی میں تشریف

لائے کچھ دنوں احمد آباد میں قیام فرمایا اور دادا سے مستفید ہوتے رہے اس کے بعد

سورت میں بود و باش اختیار فرمائی ابوبکر شلی نے المشرع الروی میں لکھا ہے:

"انعقد الاجماع علی فضلہ وکمالہ"[1]

۱۰۳۰ھ میں اُنھوں نے وفات پائی اور سورت میں مدفون ہوئے۔

شیخ جعفر بن علی حضرمی سید محمد بن عبداللہ کے بھتیجے تھے۔ گجرات تشریف لاکر

کچھ دنوں احمد آباد میں رہے اس کے بعد سورت میں اپنے چچا کے جانشین ہوئے جعفر

صادق کے نام سے مشہور تھے۔ شاہ جہاں اور داراشکوہ کو ان سے کمال عقیدت تھی،

داراشکوہ کی فرمایش سے سفینۃ الاولیا کا ترجمہ عربی زبان میں کیا تھا ۱۰۶۴ھ میں اُنھوں

نے وفات پائی سورت میں چچا کے پاس مدفون ہوئے۔

شیخ نورالدین محمد بن علی راندیری اسی سلسلہ کے ایک بزرگ تھے اُنھوں نے

رحیق المحمدیہ فی طریق الصوفیہ لاجواب کتاب لکھی ہے میرے دوست نواب نورالحسن خاں

مرحوم کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے ان کی وفات ۱۰۶۹ھ میں ہوئی علاوہ

---

[1] ترجمہ:۔ اُن کے فضل و کمال پر اجماع منعقد ہو چکا ہے

ان کے اور بھی مشائخ اِس سلسلہ کے گجرات تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں کو اپنے فیوض و برکات سے مالا مال کیا۔ سب کا ذکر کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

سلسلۂ قادریہ غالباً سب سے اوّل شیخ شمس الدین ناگوری نے اس سلسلہ کے فیوض و برکات اہلِ گجرات تک پہونچائے ہیں اُن کو شیخ اسمٰعیل بن ابراہیم جبرتی سے یہ سلسلہ پہونچا تھا اُس کے بعد شیخ جمال بن الحسین البغدادی کو بہادر شاہ گجراتی نے تشریف آوری کی تکلیف دی ۹۷۱ھ میں ان کا وصال ہوا ان کے جانشین اور فرزند شیخ تیم اللہ بڑے جلیل القدر شیخ تھے ۱۰۰۹ھ میں ان کی وفات ہے۔

شیخ عبد الفتاح عسکری شارح مثنوی معنوی بھی اِسی سلسلہ کے ایک مشہور و معروف بزرگ ہیں جو احمد آباد میں رہتے تھے۔ انہیں کی نسل میں ویلور علاقۂ مدراس کا متبرک خاندان ہے جو اب تک اپنے علم و مشیخت کی وجہ سے ممتاز ہے۔ سید عبد الصمد خدانما بھی گجرات میں رہتے تھے جن سے سید عبد الرزاق بانسوی نے اس کو حاصل کیا اور آج تک علمائے فرنگی محل اسی خم خانۂ حقیقت میں مخمور ہیں۔

سلسلۂ رفاعیہ سید احمد کبیر رفاعی کے سلسلہ سے اہلِ ہند بہت کم آشنا ہیں۔ اس سلسلہ کے اکابر وقتاً فوقتاً ہندوستان تشریف لائے مگر اُن کا فیض گجرات و دکن تک محدود رہا۔ شیخ شرف الدین اساولی اِسی سلسلہ کے ایک بزرگ تھے، جن کے فیوض و برکات سے اہل گجرات نے مدتوں فائدہ اٹھایا ہے۔ اُن کے خلیفہ شیخ نصیر بن الجمال النوساوری تھے۔ جو اپنے علم و تقدس کے اعتبار سے بڑے زبردست شیخ تھے۔ ۸۵۱ھ میں انھوں

لے وفات پائی۔

ایک اور بزرگ سیّد علی بن عبد الرحیم رفاعی تھے اُن کی وفات ۸۵۶ھ میں ہوئی
تھی یہ بھی مدۃ العمر احمد آباد میں رہے اور اہلِ گجرات کو اپنے فضل و کمال سے مستفید فرماتے
رہے ایک اور بزرگ سید علی بن ابراہیم رفاعی تھے ان کا قیام بھی احمد آباد میں تھا وفات
۹۹۳ھ میں ہوئی۔

سید عبد الرحیم رفاعی عرب سے آکر سورت میں قیام پذیر ہوئے اور مدت تک ان کا
سلسلہ جاری رہا ان کی وفات ۱۱۳۲ھ میں ہوئی ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ گمان غالب یہ ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ سب سے پہلے گجرات میں شیخ نور الدین
ابو الفتوح شیرازی کے ذریعہ سے پہونچا ہے جن کو میر سید شریف سے ارادت تھی ایک
زمانہ کے بعد خواجہ جمال الدین خوارزمی تشریف لائے اور سورت میں قیام فرمایا۔
ان کی وفات ۱۰۱۶ھ میں ہوئی سورت میں ان کا مزار ہے ان کی اولاد میں خواجہ بو الحسن
خواجہ سید محمد خواجہ نور الحسن خواجہ فیض الحسن خواجہ نور الاعلی وغیرہ عرصہ دراز تک اس
سلسلہ کے علم بردار رہے۔

خواجہ محمد دہداری خواجہ جمال الدین مذکور کے معاصر اور مولانا عبد الرحمن جامی کے
تربیت یافتہ تھے یہ بھی اسی زمانہ میں تشریف لاکر سورت میں قیام پذیر ہوئے تان سین نیدا
کا پیچ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا ۱۰۱۶ھ میں اُنھوں نے بھی وفات پائی اور سورت
میں مدفون ہوئے۔

شیخ نور اللہ و شیخ نصر اللہ پشاوری نے سفرِ حج کے دوران میں سورت کو
اپنی چند روزہ اقامت سے مشرف فرمایا ہو اور اس سلسلہ کی اشاعت کی ہو۔

سلسلۂ شطاریہ

سلسلۂ شطاریہ شیخ محمد غوث گوالیری کے وساطت سے گجرات پہنچا
ہو۔ جس زمانہ میں ہمایوں کو شیر شاہ سے شکست کھا کر عراق جانا پڑا شیخ محمد غوث گجرات
تشریف لے گئے اور تقریباً بارہ برس وہاں مقیم رہے۔ وہاں ان کی تکفیر بھی ہوئی اور سلسلہ
بھی پھیلا۔ یہ فرسے کی بات ہو کہ رہنے والے گوالیار کے مگر نواح آگرہ و دہلی میں ان کے
فضل و کمال سے لوگ ناآشنا، گجرات دکن کے علما و مشایخ نے اُن کو سر آنکھوں پر جگہ دی۔
علّامہ وجیہ الدین علوی، شیخ صدر الدین ذاکر شیخ سیر محمد شیخ شکر محمد شیخ ولی محمد شیخ علی شیر
اور بہت سے بزرگانِ گجرات نے اِس سلسلہ کو حاصل کیا اور گجرات و دکن میں یہ سلسلہ
ایسا پھیلا کہ اور سلسلے اس کے سامنے فنا ہو گئے، شیخ صبغۃ اللہ بھروچی اس کو لے کر
مدینہ طیبہ پہنچے اور بڑے بڑے مشایخ مدینہ نے اُن سے اس کو حاصل کیا۔

شیخ شکر محمد کے خلیفہ اجل شیخ عیسیٰ جند اللہ تھے، جو تمام علوم و فنون میں علّامہ
اور حدیث شریف میں فرد فرید تھے۔ وہ بھی اِسی سلسلہ کے علم بردار تھے اُن کے فیض
تربیت سے ایسے ایسے باکمال مشایخ نکلے جو عرصہ دراز تک ہندوستان کے باشندوں کو
اپنے انفاس قدسیہ سے مستفید فرماتے رہے۔

اُن ہزاروں مشایخ میں سے جن کے کشف و کرامت کی داستانوں سے گجرات
کی تاریخیں بھری پڑی ہیں میں نے صرف اُن بزرگوں کا تذکرہ کیا ہی، جو سلاسل مشہورہ میں

سے کسی سلسلہ کے ساتھ مربوط اور اپنے سلسلہ کے سرحلقہ تھے۔

علمائے گجرات کے کارنامے

ملک کی بدمذاقی دیکھئے کہ ابتدا سے اب تک ہندوستان کی سینکڑوں تاریخیں لکھی گئیں، اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر پوری نہیں اترتی۔ بس آپ کو ان کے اوراق پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رزم و بزم کا کوئی افسانہ ہے۔ قرنا و کوس کے ساتھ اگر کوئی صحیح بیان ملیگا تو چنگ و رباب کے ذکر سے اس کو آپ خالی نہ پائینگے۔ اور اگر مقفّیٰ عبارتوں اور مسجّع فقروں کے خارزار میں آپ کا دامن اُلجھ گیا، تو یہ بھی سلجھنے کا نہیں۔ ایسی حالت میں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے ناتمام مرقع میں پائیں۔

کچھ اُن بزرگوں کے حالات میں کتابیں ملتی ہیں، جو کسی سلسلۂ طریقت کے ساتھ مربوط تھے مگر اس بدمذاقی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ آپ اُن کتابوں سے اُن کے نام و نسب نشو و نما تعلیم و تربیت طریقہ ماند و بود اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملے گا۔ قرنا و کوس کا تو یہاں کچھ کام نہیں مگر چنگ و رباب یہاں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ مصنّف کا سارا زور اُن کے کشف و کرامت کے بیان کرنے پر صرف ہو جاتا ہے اور اُس کو اِس حد تک پہونچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماورا کوئی اور ہستی نظر آتی ہیں۔ وہ کھاتی ہیں نہ پیتی ہیں نہ سوتی ہیں نہ اور

خصائص انسانی سے اُن کو کچھ سروکار ہی، نہ علمی مشاغل سے اُن کو کچھ واسطہ ہی۔ اُن کا صرف یہ کام ہی کہ وہ قانون فطرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالیدِ ثلاثہ وعناصر اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قایم رکھیں۔

شیخ احمد کھتو کتنی افسوس کا مقام ہی کہ شیخ احمد کھتو جن کا ذکرِ خیر میں اوپر کر چکا ہوں اور جو گجرات کے سرمایۂ ناز تھے، اُن سے ایک نہیں بیسیوں کرامتیں صادر ہوئیں اور اُن کو مورخین گجرات نے بڑے آب و تاب سے نقل کیا ہی۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ اُن کا مبلغ علم کیا تھا، اور اُن سے اہل گجرات کو کس کس طرح سے فائدہ پہونچا۔ جب یہی بزرگ سفرِ حج سے واپس ہوتے ہوئے سمرقند پہنچتے ہیں اور اصول فقہ کے ایک ایسے مسئلہ پر جس میں علما گفتگو کر رہے ہیں اور حل نہیں ہوتا یہ تقریر کرتے ہیں تو غل مچ جاتا ہی، لوگ انکی طرف دوڑتے ہیں اور ان کو صدر مجلس میں جگہ دیتے ہیں مگر جب یہی بزرگ ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہیں تو فضل و کمال سے اُن کو کچھ سروکار باقی نہیں رہتا۔

شیخ علی مہائمی شیخ علاالدین علی بن احمد المہائمی گجرات کے سرمایۂ ناز ہیں، اور میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں اُن کا کوئی نظیر نہیں، مگر اُن کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ وہ کس کے شاگرد تھے، کس کے مرید تھے، اور مراحلِ زندگی انھوں نے کیونکر طے کیے تھے۔ جو تصنیفات اُن کی پیشِ نظر ہیں اُن کو دیکھکر حیرت ہوتی ہی کہ ایسا شخص جس کو ابن عربی ثانی کہنا زیبا ہی وہ کس مپرسی کی حالت میں ہی۔ کہیں اور ان کا وجود ہوا ہوتا تو اُن کی سیرت پر

کتنی کتابیں لکھی جاچکی ہوتیں، اورکس پُر فخر لہجہ میں مورّخین اُن کی داستانوں کو دُہراتے

اب اُن کے کارنامے سُنیئے، انھوں نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی ہے جو دو

ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے نام اُس کا تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان ہے۔ تفسیریں تو سینکڑوں

لکھی جاچکی ہیں مگر جس بات سے اُن کی تفسیر کو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ

اُس میں التزام کے ساتھ تمام قرآنِ پاک کی آیات کریمہ کے باہم دگر مربوط ہونے کو

ایسے دل نشیں طریقہ سے بیان کیا ہے جس کو پڑھ کر انسان وجد میں آجاتا ہے اور بے ساختہ

مُنھ سے داد نکلتی ہے۔ اُن کی دوسری کتاب انعام الملک العلام اسرار شریعت کے

علم میں ہے اور گمان غالب ہے کہ اس فن میں سب سے پہلی تصنیف ہے۔ شاہ ولی اللہ محدّث

دہلوی نے اسی فن میں حجۃ اللہ البالغہ نام ایک کتاب لکھی ہے، جس میں دعویٰ کیا ہے کہ آج تک

اِس فن میں کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہ میرے دعوے کی دلیل ہے کہ سب سے اوّل

مہائمی نے اِس فن میں کتاب لکھی ہے جو شاہ ولی اللہ کی نظر سے نہیں گزری، علاوہ ان

کتابوں کے مہائمی کی تصنیفات حسب مندرجہ ذیل ہیں۔ استجلاء البصر فی الرد علے

استقصاء النظر لابن مطہر الحلے۔ النور الاظہر فی کشف القضاء والقدر اور اُس کی شرح

الضوء الازہر فی شرح النور الاظہر۔ مشرع الخصوص فی شرح الفصوص لابن العربی

الزوارف فی شرح العوارف للسہروردی۔ اجلۃ التائید فی شرح ادلۃ التوحید۔

اِن کے سوا اور بھی اُن کی تصنیفات ہیں۔ ۸۳۵ھ میں وفات پائی مہائم میں اُن کی

قبر زیارت گاہ خلایق ہے۔

مفتی رکن الدین مفتی رکن الدین بن حسام الدین ناگوری نہروالہ کے مفتی تھے فقہ واصولِ فقہ میں اِن کا درجہ بہت بلند تھا۔ قاضی القضاۃ جمال الدین بن محمد اکرم گجراتی کی فرمائش سے فتاویٰ حمادیہ تصنیف کی جو فقہ حنفی کی بہت مشہور کتاب ہی دو سو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر اس کو تصنیف کیا تھا، فتاوے عالمگیری وغیرہ میں اس کے حوالہ جابجا موجود ہیں۔ افسوس ہی کہ ایسے جلیل القدر مصنّف کے حالات تاریکی میں ہیں اور سنہ وفات بھی اُن کا معلوم نہیں ہو سکا۔

مولٰنا راجح بن داؤد مولانا راجح بن داؤد گجراتی بڑے زبردست عالم تھے۔ علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں ان کا ذکر کیا ہی اور ان کی جودتِ فہم کی تعریف کی ہی لکھا ہی کہ علمائے گجرات سے علوم وفنون حاصل کرنے کے بعد مکہ معظمہ آئے مجھ سے ۸۹۴ھ میں اُن سے ملاقات ہوئی معقول ومنقول میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور شعر اچھا کہتے تھے میں نے اُن کو الفیۃ الحدیث کی شرح پڑھائی اور اجازت دی ۱۱فسو

لہ (نوٹ صفحہ ۶۰) مہائمی کی ایک کتاب فقہ میں بھی ہی بدر الدین عبداللہ قورئیس بمبئی نے اُس کو اُردو میں ترجمہ کراکے چھپوا دیا ہی اور اُس کے ساتھ ایک مختصر رسالہ ان کے حالات کا بھی ملحق کردیا ہی مگر اُس رسالہ سے مہائمی کے علمی مشاغل پر روشنی نہیں پڑتی، مجھ سے مولوی ہدایۃ اللہ صاحب مرحوم نے بیان کیا تھا کہ بمبئی میں مولوی یوسف کھنگھٹی کے پاس مہائمی کی ایک تصنیف ہی جس میں اُنھوں نے اپنے پیرانِ طریقت کا سلسلہ بیان کیا ہی میں نے اوّل مولوی یوسف صاحب کو خط لکھا اُس کے بعد اپنے دوست نواب نورالحسن خاں صاحب مرحوم سے استدعا کی کہ وہ از راہِ کرم یوسف صاحب سے مل کر دریافت کریں مگر نہ خط کا جواب ملا نہ نواب صاحب مرحوم کو مزید حالات معلوم ہو سکے اب میں علمائے گجرات سے عموماً یہ استدعا کرتا ہوں کہ جب کسی کو شیخ علی مہائمی کے مزید حالات پر اطلاع ہو وہ از راہ کرم اس سے مجھے مطلع فرمائیں۔ یا کسی کتاب کی نشاندہی فرمائیں جس کے مطالعہ سے اُن کے حالات معلوم ہوں

ہے کہ ایسے باکمال شخص کی تصنیفات سے تک محروم ہوا اور کوئی کتاب اُن کی اب
نہیں ملتی سنہ ۸۰۲ھ میں وفات پائی احمدآباد میں دفن ہوئے مگر اب کوئی یہ بھی نہیں
جانتا کہ ان کی قبر کہاں ہے۔

قاضی جگن

قاضی جگن گجرات کے بہت بڑے عالم تھے مگر ان کا نام و نسب تک
معلوم نہیں فاضل چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ قاضی جگن گجرات کے قصبہ کن
میں رہتے تھے حیف ہے کہ ایک شخص قسطنطنیہ میں بیٹھکر یہ بتائے کہ یہ کہاں کے رہنے
والے تھے اور خود گجرات والے اتنا بھی نہ جانتے ہوں۔ فقہ حنفی میں ان کی کتاب
خزانۃ الروایات بہت مشہور کتاب ہے، مگر علمائے احناف اس کی روایتوں کو معتبر
نہیں سمجھتے۔ تقریباً سنہ ۹۲۰ھ میں اُنھوں نے رحلت کی ہے۔

مولانا علاؤ الدین

ابو العبّاس علاؤ الدین احمد نہروالے بڑے جلیل القدر محدّث تھے،
علامہ عز الدین عبد العزیز بن فہد اور حافظ نور الدین ابو الفتوح شیرازی وغیرہ ائمۂ حدیث
سے ان کو اجازت تھی، آخر عمر میں مکّہ معظمہ جا رہے تھے، علماء حرمین نے بڑے شوق
و رغبت سے ان سے اجازے حاصل کئے جب تک زندہ رہے اپنی اوقاتِ عزیز کو درس
و افادہ میں مصروف رکھا، اور سنہ ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔

مولانا عبد الملک

مولنا عبد الملک عبّاسی کا شمار اُن محدّثینِ کرام میں ہے جنھوں
نے ساری عمر اسی فنِ شریف کی خدمت میں صرف کی۔ انھوں نے اپنے بھائی مولنا
قطب الدین سے حدیث پڑھی تھی، اُنھوں نے علّامہ سخاوی سے استفادہ کیا تھا صحیح بخاری

ان کو لفظاً و معنی یاد تھی، ایک مورخ ان کی نسبت لکھتا ہے

"کان حافظ القرآن و صحیح البخاری لفظاً و معنی و یجب ید رس

عن ظہر قلبہ و ہم یبین مسئلۃ فی زمانہ فی التوکل و التجرید"

تقریباً سنہ ۹۷۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ حسن محمد ابو صالح حسن بن محمد گجراتی مولانا کمال الدین علامہ ٔ نبی اور ادیب تھے علم و مشیخت ان کے گھرانے کی چیز تھی، اُنھوں نے چالیس برس تک علم کی خدمت کی اور اپنے کمالات ظاہری و باطنی سے لوگوں کو فائدہ پہونچایا، ان کی تصنیفات میں ایک قرآن مجید کی تفسیر ہے جس میں ربط آیات کی طرف زیادہ توجہ کی ہے دوسری تفسیر بیضاوی کا حاشیہ ہے تیسری نزہۃ الارواح کی شرح ہے سنہ ۹۸۲ھ ان کا سنہ وفات لکھا ہے۔

مولانا محمد طاہر علامہ مجد الدین محمد بن طاہر فتنی ایسے بلند پایہ محدث تھے جن کے فضل و کمال کی شہرت دنیا بھر میں ہے اور ان کی تصنیفات سے علما ٔ حجاز و یمن اسی طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کہ ہندوستان کے علما، اُنھوں نے ملا مہتہ شیخ ناگوری مولانا ید اللہ اور مولانا برہان الدین[1] سے علم حاصل کرنے کے بعد مکہ معظمہ جاکر شیخ ابو الحسن بکری علامہ ابن حجر مکی شیخ علی بن العراق شیخ جار اللہ بن فہد و دیگر محدثین

[1] ملا مہتہ شیخ ناگوری مولانا ید اللہ مولانا برہان الدین یہ چاروں گجرات کے علما ٔ کرام تھے ملا مہتہ کا لقب استاذ الزماں تھا، افسوس ہے کہ ان چاروں عالموں کے کچھ حالات معلوم نہیں، اگر اس مضمون کے پڑھنے والوں میں سے کسی کو ان کے حالات پر اطلاع ہو تو از راہ کرم مجھے مطلع فرمائیں

کرام سے حدیث پڑھی اور عرصہ تک شیخ علی متقیؒ کی صحبت میں رہے وہاں سے آنے کے بعد بجز تصنیف و تدریس کے اور کوئی شغل اختیار نہیں کیا اور جو دولت اُن کو اپنے پدرِ بزرگوار سے ملی تھی، اُس کو بے دریغ وظائفِ طلبہ پر صرف کر ڈالا۔ شیخ عبد القادر حضرمی النور السافر میں لکھتے ہیں۔

"حَتّٰی لَمْ یُعْلَمْ اَنَّ اَحَدًا مِنْ عُلَمَاءِ گُجْرَاتَ بَلَغَ مَبْلَغَہٗ فِیْ فَنِّ الْحَدِیْثِ کَذَا قَالَہٗ بَعْضُ مَشَایِخِنَا"[1]

اِن کی سب سے مشہور تصنیف لغتِ حدیث میں مجمع بحار الانوار ہے جس کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ صحاح ستہ کی شرح ہے، نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم اتحاف النبلاء میں اس کی نسبت لکھتے ہیں۔

"کِتَابٌ مُتَّفَقٌ عَلٰی قُبُوْلِہٖ بَیْنَ اَھْلِ الْعِلْمِ مُنْذُ ظَھَرَ فِی الْوُجُوْدِ وَلَہٗ مِنَّۃٌ عَظِیْمَۃٌ بِذٰلِکَ الْعَمَلِ عَلٰی اَھْلِ الْعِلْمِ"[2]

علاوہ اِس کتاب کے اِن کی تصنیفات میں سے المغنی فی اسماء الرّجال اور تذکرۃ الموضوعات بے مثل کتابیں ہیں، ۹۸۶ھ میں ان کو مرتبۂ شہادت حاصل ہوا۔

مفتی قطب الدین مفتی قطب الدین محمد نہروالے گجرات کے اُن علماء کرام میں تھے

---

[1] ترجمہ۔ ہمارے بعض مشایخ نے فرمایا ہے کہ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ علماء گجرات میں سے فنِ حدیث کے اندر کوئی ان سے لگا کھاتا ہو۔

[2] ترجمہ۔ جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اُسی وقت سے اہلِ علم میں یہ مقبول ہے اور سب کو اِس پر اتفاق ہے شیخ محمد طاہر نے اس کو تصنیف کر کے علماء پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

جن پر ہم سب کو فخر ہی، یہ بہت بڑے محدث اور ادیب تھے، اپنے والد مولانا علاء الدین احمد سے علم حاصل کر کے مکہ معظمہ گئے اور شیخ احمد بن محمد العقیلی النویری و محدث یمن عبد الرحمن بن علی دبیع سے حدیث پڑھی، نور الدین ابو الفتوح شیرازی سے ان کو بھی صحیح بخاری کی سند حاصل تھی، جو قلت وسائط کی وجہ سے حجاز و یمن میں بہت مقبول ہوئی ہی، ان کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا اور باوجود ہندی ہونے کے شرفاء مکہ کے میر منشی قرار دیے گئے، قاضی شوکانی البدر الطالع میں لکھتے ہیں:

"وَلَهُ فَصَاحَةٌ عَظِيمَةٌ يَعْرِفُ ذَالِكَ مَنِ اطَّلَعَ عَلَىٰ مُؤَلَّفِهِ الْبَرْقِ الْيَمَانِي فِي الْفَتْحِ الْعُثْمَانِي"

البرق الیمانی ان کی ایک کتاب کا نام ہی جس میں دولت عثمانیہ کے تسخیر یمن کی تاریخ لکھی ہی، علاوہ اس کے سب سے زیادہ مشہور تصنیف ان کی الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ہی، ان دو کتابوں کے سوا اور بھی ان کی تصنیفات ہیں جن کا ذکر جرجی زیدان نے آداب اللغۃ العربیہ میں کیا ہی۔ انھوں نے ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔

علامہ وجیہ الدین علوی

علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی گجرات کے ان برگزیدہ علماء میں ہیں جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے یہ علامہ عماد الدین محمد طارمی کے شاگرد تھے تقریباً بیس برس کے سن سے انھوں نے

ل۵ قطب الدین بہت بڑے فصیح تھے، ان کی کتاب البرق الیمانی کو دیکھ کر ان کی فصاحت کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہی۔ اھ

تدریس شروع کی اور سرسٹھ سال تک احمد آباد میں معقول و منقول کے پڑھانے میں اپنی اوقات بسر کی اور شرح جامی سے لے کر تفسیر بیضاوی تک تیس کتابوں کے حواشی و شروح لکھے، انھیں کی زندگی میں احمد آباد سے لاہور تک ان کے شاگرد پھیل کر علمی خدمتوں میں مصروف ہو گئے تھے، اور اُستاذ الاساتذہ کا منصب جلیل اپنی زندگی میں اُن کو حاصل ہو گیا تھا، اِن کی مشہور و معروف تصنیفات حسب مندرجۂ ذیل ہیں۔

حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ کشف الاصول بزدوی، حاشیہ تلویح، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ شرح تجرید، حاشیہ بر حاشیۂ قدیمہ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح مقاصد، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ عضدیہ، حاشیہ شرح حکمۃ العین، حاشیہ مطول، حاشیہ مختصر، حاشیہ شرح چغمینی، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ قطبی، حاشیہ شرح مُلّا، حاشیہ شرح ارشاد، شرح نخبۃ الفکر، شرح رسالۂ توشیحیہ، شرح ابیات تسہیل، شرح لوائح، شرح جامِ جہاں نما، ۹۹۸ھ میں اُنھوں نے رحلت فرمائی اور احمد آباد میں مدفون ہوئے قبر زیارت گاہِ خلائق ہے۔

قاضی علاء الدین قاضی علاء الدین عیسیٰ گجراتی بھی علّامہ عماد الدین محمد طارمی کے شاگرد تھے اور کثرتِ درس و افادہ میں اپنے معاصر مولانا وجیہ الدین علوی سے کم نہیں تھے، مگر افسوس ہے کہ ان کے حالات کسی کتاب میں مجھے نہیں ملے، البتہ عیسیٰ بن عبد الرحیم گجراتی کی کچھ تصنیفات ملاحظہ سے گزری ہیں اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ وہ انھیں کی ہیں، اُن میں سے ایک کتاب قاموس کے خطبہ کی شرح ہے جس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اِس شرح کا حوالہ تاج العروس

شرح قاموس میں سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی نے بھی دیا ہے۔ دوسری خود میرے کتب خانہ میں ہے، اور وہ مبحث سماع پر ہے، اُس میں اس مختلف فیہ مسئلہ کو ایسی خوبی سے سُلجھایا ہے کہ صرف اُس کے پڑھنے سے وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

قاضی بُرہان الدین

قاضی بُرہان الدین نہروالے، امام شہاب الدین احمد گجراتی کی اولاد میں باعتبار کثرت درس و افادہ کے یکتائے روزگار تھے، محمد بن عمر آصفی نے ظفرالوالہ میں لکھا ہے کہ ابتداءً گجرات میں علم انھیں کی وجہ سے پھیلا تھا اُن کے یہ الفاظ ہیں۔ "ومنہ انتشرت العلوم ابتداءً بگجرات"، مگر افسوس ہے کہ اس محسن گجرات کے حالات کسی نے قلم بند نہیں کیے۔

مولانا صبغۃ اللہ

مولانا صبغۃ اللہ بن روح اللہ الحسینی بھروچ کے رہنے والے اور علّامہ وجیہ الدین کے شاگردِ رشید تھے، مدّتوں بھروچ میں اور کچھ عرصہ تک احمد نگر و بیجاپور میں علوم و فنون کی اشاعت کی، اُس کے بعد حجاز پہونچے، حج و زیارت سے فارغ ہو کر جبلِ اُحد پر قیام فرمایا اور ساری زندگی اسی پہاڑ پر بسر کر دی، علمائے حرمین محترمین نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اُن کے فضل و کمال سے پورا فائدہ اُٹھایا شیخ احمد بن عبد القدوس اشناوی ابوبکر بن قعود النسفی محمد بن عمر بن محمد الحضرمی اور شیخ عبد العظیم المکی جیسے ناموران کے شاگرد ہوئے، اُنھوں نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا ہے، جو بلادِ روم تک پہونچا اور علما نے اُس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اس کے سوا ان کی اور بھی تصنیفات ہیں جو علمائے عرب کی فرمائش سے لکھی ہیں محمد بن

فضل اللہ محبیؔ نے خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر میں ان کا مبسوط ترجمہ لکھا ہے، اور شیخ نجم الدین غزیؔ نے لطف الثمر و قطف الثمر میں ان کی بڑی مدح و ثنا کی ہے۔ اُنھوں نے ۱۰۱۵ھ میں وفات پائی اور جنّۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔

شیخ عبد القادر

شیخ عبد القادر بن شیخ خضرمی گجرات کے مشہور عالم و مُصنف و صاحب سلسلہ تھے۔ کتب خانہ ان کا نہایت عالی شان تھا۔ ان سے علّامہ جمال الدین محمد شامی، شیخ محمد بن عبد الرحیم باجابر، احمد بن ربیع بن احمد سنباطی، حسن بن داؤد دکنی و دیگر علمائے کرام نے سندیں حاصل کی ہیں ان کی تصنیفات میں سے الحدائق الخضر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر مبسوط کتاب ہے النور السافر فی اعیان القرن العاشر تاریخ میں بڑی مُفید تصنیف ہے، الروض الاریض ان کے عربی دیوان کا نام ہے علاوہ ان کتابوں کے اور بھی ان کی تصنیفات ہیں، محمد بن فضل اللہ محبی نے خلاصۃ الاثر میں ابوبکر شلیؔ نے المشرع الروی میں مولانا عبد الحی مرحوم نے طرب الاماثل میں ان کا ترجمہ لکھا ہے ۱۰۳۸ھ میں اُنھوں نے وفات پائی اور اپنے مسقط الراس احمد آباد میں مدفون ہوئے۔

محمد بن عمر آصفی

عبد اللہ محمد بن عمر آصفی الف خانی گجرات کے نامور لوگوں میں تھے، مکہ معظمہ میں غالباً عز الدین عبد العزیز زمزمی اور شہاب الدین ابن حجر مکیؔ سے علوم و فنون کی تحصیل کی، وہاں سے آنے کے بعد الف خاں کی سرکار میں اُن کا تعلق پیدا ہوا، اور یہ اُس کے میر منشی ہو گئے، اُس کے مرنے کے بعد جھجھار خاں نے ان کو اپنی سرکار

میں اسی خدمت پر لے لیا ان کی ایک کتاب تاریخ میں فواتح الاقبال و فوائح الانتقال ہی جو الف خاں کے واسطے لکھی تھی، دوسری ظفر الوالہ بمظفر و آلہ ہی یہ بہت مفید کتاب ہی اس کو مسٹر راس پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ نے اپنے دوران قیام بمبئی میں بڑے اہتمام سے یورپ میں چھپوایا ہی، مگر افسوس ہی کہ پوری کتاب اُن کو نہیں ملی تاہم جس قدر حصّہ کتاب کا شایع ہوا ہی وہ بھی معلوماتِ مُفیدہ سے مملو ہی۔

مولانا احمد گردی مولانا احمد بن سُلیمان گردی گجرات کے علما میں باعتبار مہارت علم اور کثرتِ درس و افادہ کے بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے حدیث اپنے والد سے پڑھی تھی، جو شیخ عبد الحق محدّث دہلوی کے شاگرد تھے، اور دیگر عُلوم و فنون علّامہ محمّد شریف اور مولانا ولی محمّد سے حاصل کیے تھے، کتب درسیہ کے پڑھنے کے بعد اُنھوں نے اپنی پوری ہمّت درس و افادہ کی طرف مصروف کی اور تمام عمر اس کے سوا کوئی اور کام نہیں کیا، ان کے حلقۂ درس سے ایسے ایسے علما نکلے جن کی شہرت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہی، یہ صاحب تصنیف بھی تھے، فنِ کلام میں فیوض القدس ان کی مشہور کتاب ہی، ۱۰۸۰ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

مولانا محمّد فرید مولانا محمد فرید علّامہ محمّد شریف کے خلف الرشید تھے، اپنے والد سے کتابیں پڑھیں، اُس کے بعد ہمہ تن درس و افادہ کی طرف متوجّہ ہوئے، اور تمام عمر اس میں صرف کر دی، یہ صاحبِ تصنیف بھی تھے، مطول پر خطائی کا مشہور حاشیہ ہی اُنھوں نے اُس پر حاشیہ چڑھایا ہی یہ کتاب بانکی پور میں خان بہادر خدا بخش خاں کے

کتب خانہ میں موجود ہے۔

سید محمد رضوی سید محمد بن جعفر بن جلال بن محمد الحسینی الرضوی مخدوم جہانیاں کی اولاد میں تھے، علم و مشیخت ان کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلی آ رہی تھی، انھوں نے اُس کو زیادہ فروغ دیا، اور اپنی ساری عمر تدریس و تصنیف میں صرف کی، قرآن شریف کی دو تفسیریں لکھیں، ایک عربی میں جلالین کی طرز پر، دوسری فارسی میں جو اس اعتبار سے نئی چیز ہے کہ اُس میں اہلِ بیت علیہم السلام کی روایت سے تفسیر کی ہے، ان دو کے سوا مشکوٰۃ المصابیح کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام زینۃ النکات فی شرح المشکوٰۃ ہے، ۱۱۰۱ھ میں اُنھوں نے وفات پائی۔

شیخ جمال الدین شیخ جمال الدین بن رکن الدین چشتی کمال الدین علامہ کی اولاد میں تھے، اور بہت بڑے مصنف تھے تقریباً تمام کتب درسیہ پر شروح و حواشی اُنھوں نے لکھے ہیں تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، تلویح، حاشیہ خیالی شرح عقائد، مطول، مختصر، قطبی، منہل، شرح مُلّا وغیرہ پر مستقل حواشی لکھے ہیں اور فصوص، عوارف، تعرف، مثنوی معنوی وغیرہ کتب تصوّف کی شرحیں لکھی ہیں سب چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد ایک سو بیالیس بیان کی جاتی ہے ۱۱۲۴ھ میں اُنھوں نے رحلت فرمائی اور احمد آباد میں مدفون ہوئے۔

مولٰنا نور الدین مولانا نور الدین بن محمد صالح احمد آبادی کا شمار اُن علما میں ہے جنھوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں فنا کر دی، اور دنیا کے عیش و آرام سے کوئی تمتع حاصل نہیں کیا، علامہ وجیہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس و تدریس و کثرتِ تصنیفات

کے اُن سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوا، اُنھوں نے بھی علّامہ ممدوح کی طرح تمام کتب درسیہ کی شرح و حواشی لکھے ہیں، ان کے بیٹے اکرم الدین خاں صدر گجرات نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک عالی شان مدرسہ تیار کیا تھا، اور مصارف مدرسہ کے لیئے دیہات وقف کیئے تھے، اِن کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو بیان کی جاتی ہے، بڑی بڑی کتابیں ان کی حسب مندرجہ ذیل ہیں:-

تفسیر القرآن پوری قرآن مجید کی تفسیر، تفسیر النورانی للسبع المثانی، سورہ فاتحہ کی تفسیر، سورہ بقر کی تفسیر، حاشیہ تفسیر بیضاوی ایز درس، لوز القاری شرح صحیح البخاری الحاشیہ القویمہ علی الحاشیہ القدیمہ، حاشیہ شرح مواقف، حل المعاقد، حاشیہ شرح مقاصد حاشیہ شرح مطالع، حاشیہ تلویح، حاشیہ عضدیہ، المعوّل، حاشیہ مطول، حاشیہ شرح وقایہ، شرح ملّا، حاشیہ قطبی، شرح تہذیب المنطق، شرح فصوص الحکم وغیرہ ۱۱۵۵ھ میں اُنھوں نے وفات پائی اور مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

مولانا خیر الدین مولانا خیر الدین محمد ؒ اہد سورتی دورِ آخر کے اُن لوگوں میں سے تھے جو فضل و کمال میں اپنے اسلاف کی سچّی یادگار سمجھی جاتی تھی، اُنھوں نے مولانا محمد بن عبد الرزاق سورتی سے تحصیل علم کرنے کے بعد حج و زیارت کا شرف حاصل کیا اور مدینہ طیّبہ میں عرصہ تک قیام کر کے شیخ محمد حیاۃ سندی سے حدیث پڑھی، وہاں سے آکر اس فنِّ شریف کی خدمت میں عمر صرف کر دی اور پورے پچاس برس تک تعلیم دیتے رہے، صاحب تصنیف بھی تھے شواہد التجدید کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے

جو تصوّف و سلوک میں ہی، سیّد مرتضیٰ زبیدی (درحقیقت بلگرامی) نے سفرنامہ میں ان کا ذکر کیا ہی، حجاز کو جاتے ہوئے وہ کچھ دنوں ان کے مدرسے میں مقیم رہے تھے اور اُن سے استفادہ کیا تھا ۱۲۰۶ھ میں اُنھوں نے وفات پائی سورت میں مزار ہی

مولانا ولی اللہ

مولانا ولی اللہ سورتی اپنے پدر بزرگوار مولانا غلام محمد گجراتی کے شاگرد تھے، کتبِ درسیہ کے پڑھنے کے بعد حجاز چلے گئے اور وہاں عرصۂ دراز تک رہ کر شیخ ابوالحسن سندی سے حدیث پڑھی، واپس آکر سورت میں آکر قیام فرمایا، اور حدیث شریف کی خدمت میں مصروف ہوئے، اُنھوں نے ایک چھوٹا سا جہاز بنوایا تھا اُس کا نام سفینۃ الرسول رکھا تھا، غلبۂ شوق میں اسی پر سفر کرتے اور حج و زیارت سے مشرف ہوتے، ایک بار مولانا رفیع الدین مرادآبادی کا بھی ساتھ ہوا تھا اُنھوں نے اپنے سفرنامہ میں اس کا تذکرہ کیا ہی، ان کی حدیث میں ایک کتاب ہی، التنبہات النبویۃ فی سلوک الطریقۃ المصطفویہ اُس میں سلوک راہ نبوّت کا بیان ہی ۱۲۰۷ھ میں اُنھوں نے وفات پائی اور سورت میں مدفون ہوئے۔

میں نے اُن معدودے چند علما کا ذکر کیا ہی جن کے تھوڑے بہت حالات مجھے معلوم تھے۔ سیکڑوں نام اور حضرات کے مجھے معلوم ہیں جن کی تصنیفات جابجا کتب خانوں میں موجود ہیں، مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ کس زمانہ میں تھے۔ ایسی حالت میں کوئی شخص اُن کے حالات کیونکر قلم بند کر سکتا ہی تاہم جتنا کچھ بھی عرض کیا گیا ہی وہ اہلِ گجرات کی عبرت حاصل کرنے کو بہت ہی۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است

علمائے گجرات شاہان مغلیہ کے دربار میں

آپ کو معلوم ہی کہ ۹۸۰ھ میں اکبر شاہ تیموری نے گجرات کا الحاق اپنے ممالک محروسہ سے کر لیا تھا۔ اُس زمانہ میں علّامہ وجیہ الدین علوی اور شیخ محمد طاہر محدّث جیسے علمائے باکمال بقید حیات تھے۔ ان کی عزت و احترام میں بادشاہ نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ خان اعظم اور خان خاناں جو یکے بعد دیگرے صوبہ دار مقرر ہوئے وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان بزرگوں سے ملتے اور حُسنِ سلوک کرتے تھے۔ خان خاناں نے اپنے دوران قیام میں علّامہ وجیہ الدین سے بعض کتب درسیہ بھی پڑھی تھیں۔ اس طرح سے اُستادی اور شاگردی کے حقوق بھی باہم دگر مربوط ہو گئے تھے۔

میر ابو تراب میر ابو تراب کے دادا میر ہبۃ اللہ شیرازی محمود شاہ اوّل کے زمانہ میں گجرات تشریف لائے تھے ان کا خاندان فضل و کمال کے اعتبار سے گجرات میں ہمیشہ سربر آوردہ سمجھا جاتا تھا۔ میر ابو تراب دانشمندی اور بلند حوصلگی کے لحاظ سے اپنے تمام خاندان میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اکبر نے تسخیر گجرات کے بعد ان کو بکار آمد سمجھ کر اپنی قرب و حضوری سے سرافراز کیا اور ۹۸۹ھ میں پانچ لاکھ روپیہ کا نقد و جنس دے کر ان کو قافلہ سالار کر کے مکّہ معظّمہ روانہ کیا وہاں سے آکر ۹۹۱ھ میں اُنھوں نے اپنے وطن مالوف میں رہنے کی اجازت حاصل کی، مگر گوشہ نشینی کی تمنا پوری

نہیں ہوئی جب تک زندہ رہے مہمات ملکی ان کو تفویض ہوتے رہے آخر کار سنہ ۱۰۰۳ھ
میں وفات پائی ان کی تصنیفات میں سے تاریخ گجرات ہی جس کو ایشیاٹک سوسائٹی
بنگال نے چھپوا کر شایع کر دیا ہی۔

سیّد محمدؐ رضوی شاہ عالم بخاری کی اولاد میں تھے اور فضل و کمال میں اپنے
اسلافِ کرام کی سچّی یادگار سمجھے جاتے تھے۔ اُنھوں نے شاہی خدمت کبھی قبول
نہیں کی مگر بادشاہوں کو ان کے ساتھ حُسنِ عقیدت تھی اِن سے ملتے اور بزرگداشت
کرتے تھے۔ جہاں گیر بادشاہ جس زمانہ میں گجرات آیا ہوا تھا، ان سے مل کر بہت خوش
ہوا اور فرمایش کی کہ فارسی میں قرآنِ مجید کا ترجمہ کریں[1] شاہ جہاں ایک بار ایّام
شاہزادگی میں اور دوسری بار بادشاہ ہو جانے پر ان سے ملنے کو گیا اور ہر مرتبہ
اِن کی عزت و احترام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ اُنھوں نے سنہ ۱۰۴۵ھ میں
وفات پائی اور اپنے جدِّ بزرگوار کے پاس مدفون ہوئے۔

سیّد جلال میر سیّد محمدؐ رضوی کے خلفِ الرشید اور فضل و کمال میں اپنے باپ
کے قدم بقدم تھے سنہ ۱۰۳۷ھ میں اپنے پدرِ بزرگوار کی اجازت سے آگرہ تشریف لے گئے
شاہ جہاں نے دو ہزار روپیہ بطور پاُ انداز کے عنایت کیا سنہ ۱۰۳۹ھ میں خلعت و فیل و تین ہزار
روپیہ نقد سنہ ۱۰۴۷ھ میں دس ہزار روپیہ اور ان کے لڑکوں کو فرجی دستار اور شالیں عنایت
ہوئیں اور چھ سو اشرفیاں ان کو دی گئیں کہ گجرات کے زاویہ نشینوں میں تقسیم کریں

[1] مآثر الامرا میں شاہ نواز خاں نے لکھا ہی کہ اُنھوں نے قرآن مجید کا فارسی میں نہایت عمدہ ترجمہ کیا تھا

سنہ ۱۰۴۸ھ میں پھر طلب کیے گئے اور پانسو اشرفیاں عنایت ہوئیں اور چند روز کے بعد جشنِ نو روزی کے موقع پر ایک ہزار روپیہ اور رخصت ہونے کے وقت پانچ ہزار روپیہ دیا گیا سنہ ۱۰۵۲ھ میں پھر طلب کیے گئے اور پانچ ہزار روپیہ عنایت ہوا اور ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ ملازمتِ شاہی اختیار کریں آخر کار اُنھوں نے اپنے بڑے بیٹے سیّد جعفر کو اپنا مرقّع درویشی دے کر صدارتِ عظمیٰ کا خلعت حاصل کیا چہار ہزاری ذات و ہفت صدی سوار کا منصب ملا سنہ ۱۰۵۵ھ میں شش ہزاری ذات و یک ہزار و پانصدی سوار کے عالی پایہ منصب پر ترقی کی چند دنوں کے بعد ان کے منصب میں پانسو سواروں کا اور اضافہ ہوا شاہ جہاں ان کے فضل و کمال کا بہت معتقد تھا۔ اگر یہ چند دنوں اور زندہ رہتے تو ان کو اور زیادہ ترقی ہوتی اور کیا عجب ہے کہ علّامہ سعد اللہ خاں کے بعد یہ وزیرِ اعظم کر دیے جاتے مگر سنہ ۱۰۵۷ھ میں اُنھوں نے رحلت فرمائی نعش ان کی لاہور سے گجرات بھیجی گئی اور اپنے بزرگوں کے پاس دفن ہوئے

سیّد جعفر سیّد جلال رضوی کے بڑے بیٹے اور فضل و کمال میں اپنے جدّ و پدر سے بڑھے ہوئے تھے عبد الحمید مورّخ شاہ جہانی نے بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ یہ مہارت علمی و کثرتِ درس و افادہ و واقفیتِ مصطلحات و التزام طریقہ مشایخ میں اپنے جدّ و پدر سے بڑھ کر تھے سنہ ۱۰۵۲ھ میں سجّادہ آبائی پر رونق افروز ہوئے سنہ ۱۰۵۷ھ میں جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو شاہ جہاں نے خواہش کی کہ منصبِ پدری کو قبول کریں مگر اُنھوں نے منظور نہیں کیا۔

دریں دیار کہ شاہی بہ گدا بخشند ہمیں خوش ست کہ ما را ہمیں بما بخشند

شاہی عنایتیں ان کے حال پر ہمیشہ مبذول رہیں سنہ ۱۰۶۴ھ میں یہ طلب ہوئے اور پانچ ہزار روپیہ بطور پا مزد کے عنایت ہوا اور رخصت کے وقت خلعت و فیل و پانچ ہزار روپیہ نقد پھر مرحمت ہوا۔ سنہ ۱۰۶۵ھ میں ڈھائی سو اشرفیاں اُن کو بھیجی گئیں سنہ ۱۰۶۹ھ میں عالم گیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد خلعت روانہ کیا اور سنہ ۱۰۷۰ھ میں خلعت و فیل و دس ہزار روپیہ نقد ان کو اور خلعت و فیل و ایک ہزار نقد ان کے بیٹے سیّد محمدؐ کو عنایت کیا۔ سنہ ۱۰۸۵ھ میں اُنھوں نے وفات پائی۔

سیّد علی

سیّد جلال کے دوسرے بیٹے تھے باپ کے مرنے کے بعد ایک ہزاری منصب پایا سنہ ۱۰۶۱ھ میں جواہر خانہ کے داروغہ مقرر ہوئے اور مع اصل و اضافہ کے ایک ہزار و پانصدی ذات و چہار صدی سوار کے منصب پر فائز ہوئے سنہ ۱۰۶۲ھ میں کتب خانہ شاہی کے داروغہ مقرر ہوئے اور دو ہزاری ذات و چہار صدی سوار کے منصب پر ترقی کی سنہ ۱۰۶۵ھ میں رضوی خاں خطاب مع خلعت خاصہ کے عنایت ہوا اور دو ہزار و پانصدی ذات و پانصدی سوار کے منصب پر ترقی کی اور ملک گجرات کی بخشی گری و وقائع نویسی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ سنہ ۱۰۶۸ھ میں گجرات سے بلا لیے گئے عرض وقائع کی خدمت سپرد ہوئی سنہ ۱۰۷۰ھ میں خدماتِ شاہی سے مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہوئے۔ عالم گیر نے بارہ ہزار روپیہ سالانہ کی پنشن کر دی سنہ ۱۰۷۳ھ میں پھر دو ہزار و پانصدی ذات و چہار صدی سوار کا منصب مع خلعت و جمدہر مینا کار کے عنایت ہوا سنہ ۱۰۷۷ھ میں منصب میں سو سواروں کا اضافہ ہوا اور بیگم صاحب کی سرکار میں دیوانی کی خدمت

ملی ۱۰۸۰ھ میں سہ ہزاری کئے گئے اور صدارتِ عظمیٰ کے موروثی عہدہ پر ترقی پائی
۱۰۹۱ھ میں وفات پاکر دنیا کے مخمصوں سے چھوٹے۔

ملّا عبد القوی ایّامِ شاہزادگی میں عالمگیر کے قرب و حضوری سے مخصوص ہو چکے تھے اور بعض مورّخین کی طرزِ تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے اُستاد تھے۔ بہرحال عالمگیر کی توجہ سے اُنھوں نے درجہ بدرجہ ترقی کرکے پنجہزاری منصب حاصل کیا تھا، اور بادشاہ کے معتمد الیہ ہوگئے تھے اسی لحاظ سے اعتماد خاں کا خطاب ان کو ملا تھا جس وقت خلوت میں باریاب ہوتے تھے تو ان کو بادشاہ کے حضور میں بیٹھنے کی اجازت تھی، جو اُس زمانہ کے لحاظ سے ایسا اعزاز تھا کہ شاہزادوں کے سوا کم کسی کو ملتا تھا۔ شاہ نواز خاں نے مآثر الامرا میں لکھا ہے:۔

"چوں بقدمِ خدمت و محرمیت اتصاف داشت و بسمت کار آگہی و معاملہ فہمی موسوم بود از سائر اعیان خلافت و نوئینان والا رتبت قرب و منزلتش افزود گویند در خلوت بحضور بادشاہ می نشست و اکثر در جناب خلافت حرف او مسموع و عرض او مقبول بود۔"

۱۰۷۷ھ میں شہید ہوئے۔

قاضی عبد الوہاب شیخ محمدؐ طاہر محدّث کی اولاد میں تھے شاہ جہاں کے زمانہ میں مونگی پٹن کے قاضی مقرر ہوئے۔ جب عالمگیر ایامِ شاہزادگی میں دکن کی مہم پر بھیجے گئے تو اپنے فضل و کمال کی وجہ سے اُن کی خدمت میں باریاب اور مفتی عسکر کی خدمت پر سرفراز ہوئے ۱۰۶۹ھ میں جب اورنگ جہاں بانی کو اورنگ زیب کے قدم سے

برکت حاصل ہوئی تو قاضی عبدالوہاب کو اقضی القضاۃ کی خدمتِ جلیلہ تفویض ہوئی خافی خاں نے منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ ان کا رسوخ و اقتدار اس درجہ پر تھا کہ اُس وقت تک کسی قاضی کو حاصل نہیں ہوا امراء کبار ان سے خوف کھاتے تھے۔ شاہ نواز خاں نے مآثر الاُمرا میں لکھا ہے کہ ان کا حکم بے روک ٹوک کے نافذ تھا اور ان کا سا اقتدار کسی قاضی کو نصیب نہیں ہوا۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں:-

"از ابتدائے جلوس آں شاہ فتح نصیب بر سریر فرماں روائے ہندوستان بخدمت جلیل القدر قضائے عسکر در کمال استقلال و غایت نفاذ حکم و نہایت اعتبار و اقتدار اشتغال داشت وایں امر چنانچہ از قاضی مذکور متمشی شد از پیشینیاں کسے را بایں استقلال نہ شد۔"

۱۰۸۶ھ میں اُنھوں نے وفات پائی۔

قاضی شیخ الاسلام قاضی القضاۃ عبدالوہاب گجراتی کے بیٹے اور فضل و کمال زہد و اتقا میں یگانۂ روزگار تھے جب باپ کا انتقال ہوا تو ایک لاکھ اشرفیاں اور پانچ لاکھ روپیہ نقد علاوہ جواہرات و اثاث البیت کے اُنھوں نے چھوڑا۔ اُس میں سے اس یگانۂ روزگار نے کچھ نہیں لیا اور تمام متروکہ دوسرے وارثوں پر تقسیم کر دیا باپ کی زندگی میں دارالملک دہلی کے قاضی تھے اون کے مرنے کے بعد ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے ان کو مجبور کر کے اقضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا۔ اس عہدۂ جلیلہ کے فرائض اُنھوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے اور حق بات کے ظاہر کرنے میں کبھی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چوکے ۱۰۹۴ھ میں اس خدمت سے استعفا دیا

اور بدشواری سفرِ حج کی اجازت پائی وہاں سے واپس آنے کے بعد عالمگیر نے پھر ہزار طرح سے چاہا کہ یہ اقضی القضاتی یا صدارتِ عظمیٰ کے عہدوں میں سے کسی ایک کو قبول کریں اُنھوں نے منظور نہیں کیا۔ شاہ نواز خاں نے مآثر الامراء میں لکھا ہے

"پس از معاودت بہ بندر سورت خلد مکان باعزاز طلب داشتہ عنایت زیاد بحال او مبذول نمود چنانچہ مکرر عطر بدست مبارک بر جامہ اش مالید و تکلیف قضا و صدارت بمیان آمد اباء نمودہ التماس کرد کہ چندے رخصتِ وطن شود کہ زیارت مقابر بزرگاں و ملاقات عیال و اطفال دریافتہ خود را بر کاب رساند"

شاہ نواز خاں نے مآثر الامراء میں دوسری جگہ لکھا ہے:

"دریں سلطنت دو صد سالہ تیموریہ در دیانت و خدا پرستی مثلِ او قاضئی نگزشتہ پیوستہ درحالت قضا ہم مستعفی بود بادشاہ نمی گزاشت تا بہ تقریب مہم بیجاپور خود را کشید"

مہم بیجاپور کا واقعہ خافی خاں نے منتخب اللباب میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عالم گیر انار اللہ برہانہ نے بیجاپور کا قصد کرنے سے پہلے قاضی شیخ الاسلام سے فتوے طلب کیا تو اُنھوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ کہا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے جنگ کرنا جائز نہیں ممکن ہے کہ قاضی شیخ الاسلام کی اس مسئلہ میں یہی رائے ہو مگر میری رائے ناقص میں خافی خاں کی یہ روایت از روئے درایت کے صحیح نہیں عالمگیر مرحوم فقہ اور اصول فقہ کے خود ماہر تھے اور اُن وجوہ کو بھی خوب سمجھتے تھے جن کے سبب سے یہ جنگ ناگزیر ہوگئی تھی، اگر اُن کو اتمام حجت ہی کرنا تھا تو مفتی عسکر سے فتویٰ لینا چاہیے

تھا جن کا کام اور صرف یہی ایک کام تھا کہ وہ فتویٰ دیں قاضی خود اس بات پر مجبور تھا
کہ وہ مفتی سے فتویٰ لے کر مہمات قضا کو انجام دے بہرحال یہ واقعہ صحیح ہو یا نہو قاضی
شیخ الاسلام کی راست بازی اور خدا پرستی پر تمام مورخین کو اتفاق ہے۔ انھوں نے
۱۱۰۹ھ میں وفات پائی اور اپنے اسلاف کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

قاضی ابو سعید قاضی القضاۃ عبد الوہاب گجراتی کے داماد تھے ۱۰۸۶ھ بجائے
قاضی شیخ الاسلام کے دار الملک دہلی کے قاضی مقرر ہوئے اور ۱۰۹۴ھ میں انھیں کی
جگہ اقضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے عالمگیر جیسے فاضل و متقی بادشاہ کا
شیخ الاسلام جیسے خدا پرست کی جگہ ان کا انتخاب کرنا اس بات کی شہادت ہے کہ یہ کیسے
جلیل القدر بزرگ تھے۔ ۱۰۹۵ھ میں اس خدمت سے سبکدوش ہوئے اور ۱۰۹۹ھ
میں وفات پائی۔

قاضی عبد اللہ قاضی محمد شریف گجراتی کے بیٹے اور احمد آباد کے قاضی تھے
شاہزادہ محمد اعظم عالی جاہ نے ان کے فضل و کمال سے واقف ہونے کے بعد ان کو
اپنے اردوئے معلّٰی کا قاضی مقرر کیا۔ ۱۰۹۵ھ میں جب قاضی القضاۃ میر ابو سعید نے
استعفا دیا تو عالمگیر نے ان کو اقضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ ترقی دی اور یہ بخلاف
اپنے پیشروؤں کے عرصہ تک اس خدمت پر مامور رہے۔ آخر میں صدر الصدوری
کی خدمت پر فائز ہوئے[۱] مگر اس خدمت کا جائزہ حاصل کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد

---

[۱] صدارت پر ترقی یاب ہونا مآثر عالمگیری مصنفہ مستعد خاں سے لیا گیا ہی

سنہ ۱۰۹ھ میں وفات پا گئے۔

قاضی عبد الحمید قاضی القضاۃ عبد اللہ گجراتی کے بیٹے تھے۔ سنہ ۱۰۹۵ھ میں اپنے بزرگوار کی جگہ شاہزادہ محمد اعظم کے اردوئے معلّٰی میں قاضی مقرر ہوئے چند روز اس خدمت کو انجام دے کر حج کو چلے گئے۔ سنہ ۱۱۰۸ھ میں واپس آکر صوبۂ گجرات کی دیوانی پر مقرر کیے گئے۔ دیوانی کے زمانہ میں دوبار گجرات کی صوبہ داری کے فرائض بھی ان کے متعلق ہوئے۔ سنہ ۱۱۲۱ھ میں شاہ عالم نے اقضی القضاۃ کی خدمتِ جلیلہ ان کو تفویض کی تین برس تک اس خدمت کو انجام دینے کے بعد استعفا پیش کیا جو منظور نہیں ہوا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ ان کی علیحدگی بادشاہ کو گوارا نہیں تو اپنے خیمہ میں آگ لگا کر لباس فقیرانہ لیا اور مسجد میں جا بیٹھے بادشاہ کو چار و ناچار رخصت کرنا پڑا عرصہ تک احمد آباد میں گوشہ نشیں رہے۔ فرخ سیر کے زمانہ میں پھر ان کو خدمتِ شاہی پر مجبور کیا گیا اور بندر سورت کے متصدی مقرر ہوئے چند روز تک تعمیل حکم کر کے پھر مستعفی ہوئے اور دہلی جا کر شیخ احمد کھٹو گنج بخش کے مزار کی تولیت حاصل کی اور پھر فراغت و یکسوئی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ سنہ ۱۱۲۵ھ میں داؤد خاں پنی گجرات کا صوبہ دار مقرر ہوا اور ان کو حکم ہوا کہ اس کے آنے تک صوبہ داری کی خدمت کو انجام دیں اس کو بھی خواہی نخواہی انجام دینا پڑا اس کے بعد جوناگڈھ کے فوجدار کر دیئے گئے بہر حال جب تک زندہ رہے مہمات ملکی سے ان کو نجات نہیں ملی۔

شریعت خاں قاضی عبد اللہ کے چھوٹے بیٹے تھے سنہ ۱۱۲۱ھ میں جب ان کے بڑے

بھائی قاضی عبد الحمید اقضی القضاۃ کی خدمتِ جلیلہ پر فائز ہوئے تو یہ اُن کی جگہ صوبہ
گجرات کے دیوان مقرر ہوئے اور تین برس کے بعد جب قاضی عبد الحمید نے
قاضی القضاتی کے عہدہ سے استعفا دیا تو یہ اُن کی جگہ اقضی القضاۃ ہوگئے اور غالباً
فرخ سیر کے عہد تک اس خدمت پر منصوب رہے۔

متشرع خاں قاضی شریعت خاں کے بیٹے تھے ۱۱۲۴ھ میں جب وہ اقضی القضاۃ
ہوئے تو یہ اُن کی جگہ صوبہ گجرات کے دیوان مقرر کیے گئے اور مدت دراز تک
اسی خدمت کو انجام دیتے رہے اُس کے بعد معلوم نہیں کہ ان کا کیا حشر ہوا۔

نور الحق قاضی عبد الوہاب گجراتی کے بیٹے اور باہمہ فضل و کمال حج و زیارت سے
بھی شرف اندوز ہو چکے تھے عالم گیر کے زمانہ میں محتسب عسکر کی خدمتِ جلیلہ ان کے
متعلق تھی۔ معلوم نہیں کہ اس خدمت پر کب تک رہے اور کہاں تک ترقی کی۔

عبد الحق یہ بھی قاضی عبد الوہاب کے بیٹے اور عہد عالمگیری میں باریاب حضور
تھے۔ وقتاً فوقتاً مختلف عہدے ان کو ملتے رہے۔ زیادہ تر شاہی کارخانوں کی داروغگی
ان کو حاصل ہوتی رہی جو بجز اُن امراء کے جن پر بادشاہ کو ذاتی اعتماد ہو اور کسی
کو نہیں ملتی تھی۔

محی الدین یہ بھی قاضی عبد الوہاب کے بیٹے تھے۔ عہد عالمگیری میں صوبۂ گجرات
کی صدارت و ایلچی کی خدمت اُن کے متعلق تھی سنہ ۱۱۰۱ھ میں انھوں نے وفات
پائی۔ وفات تک اس عہدہ پر مامور رہے۔

اکرم الدین شیخ محی الدین کے بیٹے تھے باپ کے مرنے پر عالمگیر نے صدارت گجرات کا عہدہ ان کو دیا اور شاہ عالم نے شیخ الاسلام خاں کے خطاب سے اُن کو سربلند کیا اُنھوں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ کی لاگت سے احمد آباد میں ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کیا تھا اور اپنے اُستاد مولنا نور الدین گجراتی کو اُس کی تولیت دی تھی۔

یہ معدودے چند علما ہیں جو شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور اپنی خدمات متعلقہ کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ عالمگیر جیسے دقیقہ رس بادشاہ کے حضور میں اپنے حسن خدمت اور پسندیدہ کارگزاری کی وجہ سے ہمیشہ مورد تحسین وآفریں رہے۔

بہت سے ایسے علمائے گجرات باقی ہیں جو مختلف مقامات پر قضا و افتا کی خدمتوں پر مامور رہتے تھے مثلاً قاضی محمد شریف، قاضی ابو الفرح، قاضی ابو الخیر، قاضی خیر اللہ قاضی نظام الدین، قاضی رکن الحق، قاضی عبد الرسول، قاضی شرف الدین، قاضی ابو الحسن مفتی محمد اکبر، مفتی محمد شریف، مفتی عبد اللہ اور سینکڑوں علما جن کے نام بھی معلوم نہیں حالات کون لکھ سکتا ہے نہ اُن سب کے حالات قلم بند کرنے کی یہاں ضرورت ہے۔ جتنا کچھ بھی میں عرض کر سکا ہوں اُسی سے آپ اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ علمائے گجرات نے اپنی قابلیت کے زور سے شاہان مغلیہ کے زمانہ میں بھی کتنا رسوخ و اقتدار حاصل کیا تھا اور کیسے کیسے جلیل القدر عہدے اُن کو دیے گئے بلکہ سچ

تو یہ ہی کہ شاہ جہاں سے لے کر فرخ سیر کے زمانہ تک صدارتِ عظمیٰ اور اقضی القضاتی کے بڑے بڑے عہدے جو نفاذ حکم اور اقتدار کی حیثیت سے ہندوستان کے ہر گوشہ میں شاہی نیابت کا درجہ رکھتے تھے اُن عہدوں پر بیشتر علمائے گجرات کے نام آپ کو نظر آئینگے۔ اس سے زیادہ بیّن ثبوت اس بات کا کیا ہوسکتا ہے کہ گجرات سے ہر زمانہ میں کیسے کیسے جوہر قابل نکلتے رہے ہیں۔

مگر اے اہلِ گجرات! خدارا انصاف کیجیئے، کیا اب بھی آپ کے ملک سے ایسے جوہر قابل نکلتے ہیں جو علّامہ وجیہ الدین اور شیخ محمد طاہر محدّث نہ سہی سیّد جلال رضوی اور قاضی عبدالوہاب کی یادگار سمجھے جانے کے مستحق ہوں۔ آپ کہیں گے کہ اب اس کا زمانہ نہیں۔ نہیں ہے تو جانے دو، میں پوچھتا ہوں کہ آپ میں کوئی ہے جو دادا بھائی نوروجی اور مسٹر گاندھی کا جواب ہو، کہو نہیں ؎

چمن کے تخت پر جس دم شہِ گل کا تجمّل تھا ۔۔۔ ہزاروں بُلبلیں تھیں باغ میں اک شور تھا غل تھا

کھُلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی ۔۔۔ بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ وہاں گل تھا

بالخیر